روشن کائنات

میرے بزرگ رہنما جناب سنتوش کمار جی
کی خدمت میں بصد خلوص پیش ہے
پیش کردہ
یوسف علی
2.7.85

(روشن بنارسی)

نام کتاب	کائنات روشن
مصنف	روشن علی خاں روشن بنارسی
طبع اول	۱۹۸۴ء
خطّاط	کمال احمد
مطبع	نیو پبلک پریس - دہلی
	PRINTED 1984
قیمت	Price Rs. 35/-
باہتمام	یوسف علی خاں ایم اے بی ایڈ لکچرار گورنمنٹ انٹر کالج۔ میرٹھ۔

(۱) یہ کتاب اتر پردیش اردو اکادمی کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی۔
(۲) اس کتاب کے مندرجات سے اتر پردیش اردو اکادمی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

ملنے کا پتہ :-

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶
انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر۔ راؤز ایونیو۔ نئی دہلی۔
بیگم روشن بنارسی ۲۷۲۵ ہملٹن روڈ کشمیری گیٹ دہلی ۶
یوسف علی خاں لکچرار گورنمنٹ انٹر کالج میرٹھ

فہرست مضامین

... ٭ .....

ملنے کا پتہ:

(۱) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

(۲) انجمن ترقی اردو (ہند) اردو گھر راؤز ایونیو نئی دہلی

(۳) بیگم روشن بنارسی ۲۷۲۵ ہملٹن روڈ کشمیری گیٹ دہلی

(۴) یوسف علیخان لیکچرار گورنمنٹ انٹر کالج میرٹھ

ہدیۂ تشکر

بخدمت: عالیجناب خورشید عالم خاں صاحب مرکزی وزیر محکمہ سپرد سیاحت و ہوابازی ہند۔ محکمہ میں آپ کے کار فلاح و بہبود اور حسن انتظام نے آپ کو ہر دل عزیزی کا مرتبہ بخشا ہے۔ آپ کی ادب پروری نے مصنف کی ہمت افزائی فرماتے ہوئے کائنات روشن کو منظر عام پر لانے کی جس خلوص سے مدد فرمائی ہے اس کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ شکریہ ادا کروں۔ موصوف کی خوبیوں کے متعلق اتنا کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ بھارت کی اس عظیم شخصیت کے چشم و چراغ ہیں جنھوں نے ادبی اور تعلیمی میدان میں ایسی مثال قائم کی ہے جس کی روشنی میں اساتذہ اور مدرسین زمانہ تک مستفیض ہوتے رہیں گے اور طلبہ فیض حاصل کرتے رہیں گے۔

بھارت اپنے اس لائق صد تحسین و آفریں صدر جمہوریہ ہند آنجہانی ڈاکٹر ذاکر حسینؒ صاحب کو یاد کر کے آئندہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہر صدر جمہوریہ ہند کو تلقین کرتا رہے گا۔ تاریخ ہند میں ان کے نام سے ان کا ذریں باب روشن رہے گا۔

(۲) جناب جگن ناتھ سہائے صاحب پرائیویٹ سکریٹری جناب خورشید عالم خاں صاحب نہ صرف یہ کہ ہمیشہ اپنے کار آمد عہدہ سے عوام کی خدمت کرتے رہے ہیں بلکہ اردو ادب میں بڑی معلومات کا خزانہ بھی ہیں۔ لکھنؤ آپ کا وطن مالوف ہے۔ اس لئے اہل زبان ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اپنی ذہانت کی وجہ سے جناب لال بہادر شاستری مرحوم وزیر اعظم ہندوستان کی خدمت بھی ذوق و شوق سے کرتے رہے ہیں۔

آنجہانی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی خدمت بھی اسی عہدہ پر رہ کر فرما چکے ہیں۔ کائنات روشن کے مسودہ کے مطالعہ کے بعد آپ نے مصنف کی کافی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

(۳) جناب محمد اجمل خاں شریفی صاحب ایڈووکیٹ دہلی بڑی خوبیوں کے حامل ہیں۔ اکثر و بیشتر مصنف کے مشیر و معاون کار رہ کر حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔

"حالات کی کہانی تصویر کی زبانی"

کو محض اس غرض سے اس مجموعۂ کلام کائناتِ روشن" میں شامل کیا جا رہا ہے کہ مصنف کی نگاہ میں یہ تصاویر اردو ادب کے لئے ایک اہم دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان تصاویر میں نمایاں شخصیتیں انقلاب و آزادیٔ ہند کے مصائب جھیلنے کے بعد کرسیٔ صدارت و وزارتِ ہند کو رونق بخشنے کے ساتھ ملک و قوم کی سیاسی رہبری کی ذمہ دار رہی ہیں۔ اردو، فارسی، ہندی اور انگریزی کی عالم رہی ہیں۔ کتنی ہی کتابوں کی مصنف اور واقف ہیں۔ ہندوستان کو نئے سائنسی دور سے نہ صرف روشناس کرایا ہے بلکہ آج کا ترقی یافتہ بھارت جو عظیم طاقتوں کے دوبدوش چلنے میں فخر محسوس کر رہا ہے۔ زمین سے ہوا، ہوا سے فضا اور اب خلا (space) میں جہاز، راکٹوں کے ساتھ سائنس دانوں کے ہمراہ داخل ہو کر دوستی اور ترقی کے نئے باب کھول رہا ہے۔ انہیں شخصیتوں کی سوجھ بوجھ، دور اندیشیوں کا نتیجہ اور کامیابی کا کارنامہ ہے۔ یہ عظیم شخصیتیں نہ صرف عقیدتوں کی حامل ہیں بلکہ تاریخ ساز بھی ہیں۔

یہ ہستیاں ادبی نشستوں اور مشاعروں میں عوام کے ہمراہ برابر سے شریک ہو کر اپنا قیمتی وقت اشعار سے لطف اندوز ہونے کے لئے وقف کرتا شعراء کی قدردانی و ہمت افزائی کرتے ہوئے زبان و ادب کی خدمت کر کے خوش ہوتا اپنی زندگی کا ایک اہم فرض سمجھتی رہی ہیں۔ شعراء کو ان سے اور ان کو شعر سے ہمت اور حوصلہ ملتا رہا ہے۔ یہ تک یہ اتفاقی ہوتی اگر ان محسنین ادب کا تذکرہ اس مجموعۂ کلام میں نہ کیا جاتا۔

(الف) روشن ۱۹۵۱ء میں انڈین ریلویز کی ٹیم کے ممبر کی حیثیت سے نیشنل کبڈی جیسی شب کلائی میں شریک ہوئے۔

(ب) مصنف نے کارِ مذہبی انجام دینے کی خاطر اپنے بزرگوں جیسی ڈاڑھی اختیار کی۔

۱۔ اپریل ۱۹۶۱ء میں قومی مشاعرے کے صدر جناب پنڈت جواہر لال نہرو صاحب وزیر اعظم ہند روشن صاحب سے مخاطب ہیں۔

۲۔ صدر جمہوریہ ہند (اول) جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب جلسہ کی صدارت فرما رہے ہیں۔ قومی تہوار پر سردار حکم سنگھ اور دیگر حضرات روشن صاحب بنارسی کا کلام سنتے ہوئے۔

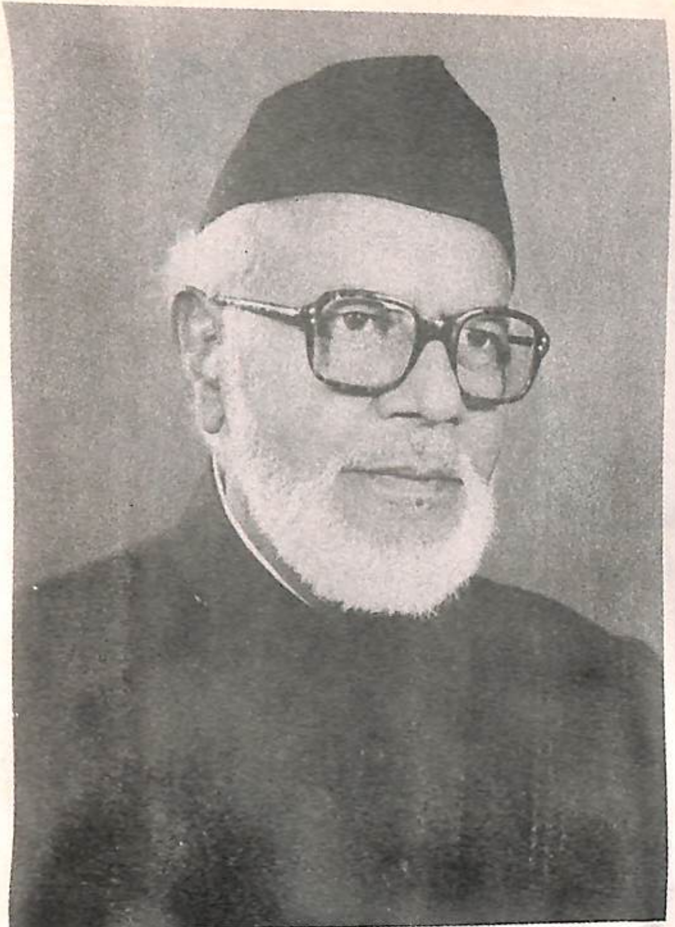
۳۔ وزیر اعظم ہندوستان جناب لال بہادر شاستری، روشن بنارسی اور صاحبزادہ یوسف علیخاں بمقام شاستری جی کی آخری نشست ہو رہی تھی۔

۴۔ قومی تہوار کے مشاعرہ کے بعد دسترخوان پر بائیں سے جسٹس امام صاحب، ڈاکٹر سید محمود صاحب اور روشن بنارسی۔

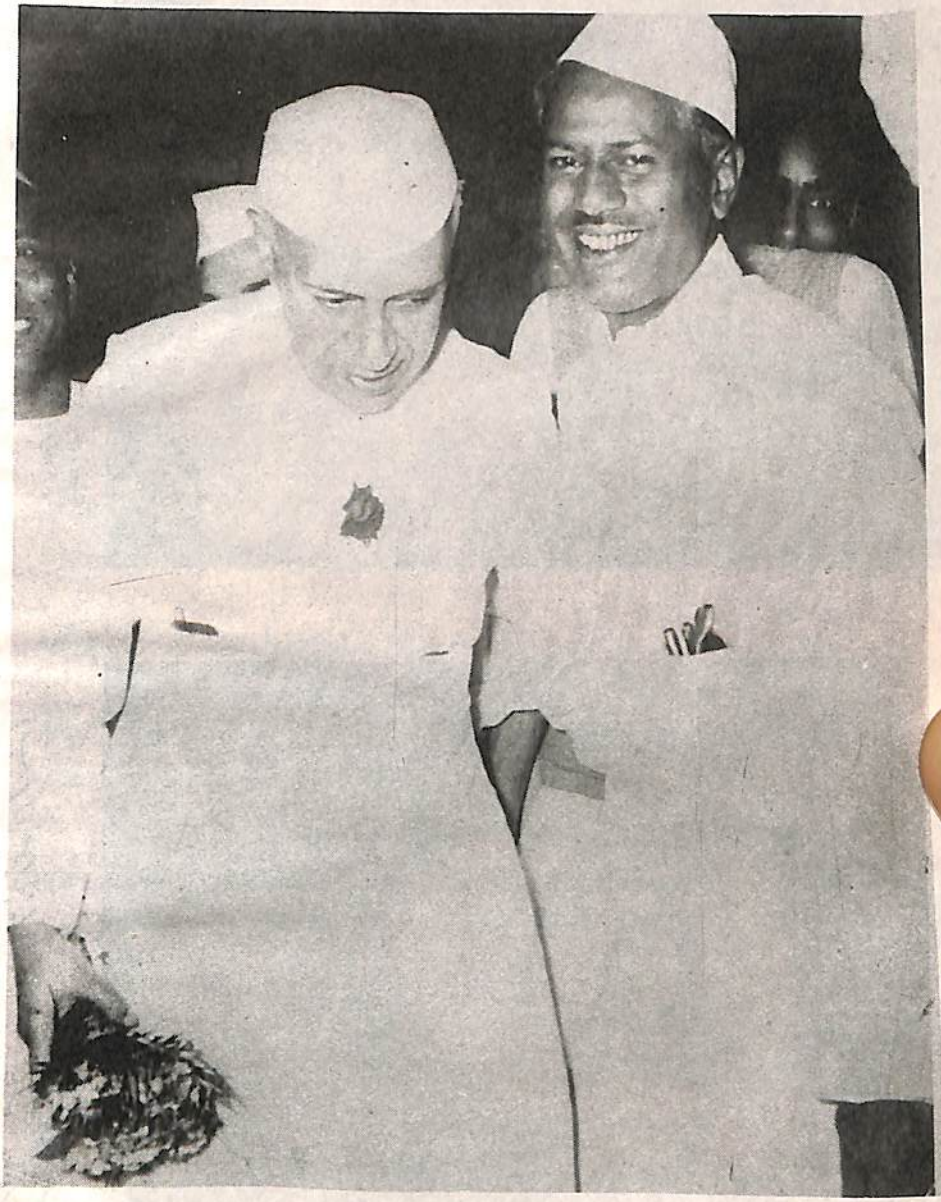
۵۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریہ ہند روشن صاحب بنارسی سے بغلگیر ہوتے ہوئے۔

۶۔ ۴ اکتوبر ۱۹۶۵ء وزیر اعظم ہندوستان لال بہادر شاستری صاحب مصنف کے تازہ افکار سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہ جگناتھ سہائے پرائیویٹ سکریٹری بالکل آخر میں داہنے جانب۔

۷۔ ۱۹۶۸ء جشن آزادی مشاعرہ حیدرآباد ہاؤس نئی دہلی میں روشن اپنا کلام پیش کرتے ہوئے۔ داہنے طرف سے بیٹھے ہوئے حافظ محمد ابراہیم، مرارجی ڈیسائی نائب وزیر اعظم ہند صدر مشاعرہ، حکیم خلیل الرحمن، نادر علی اور رگھوناتھ سنگھ ممبر پارلیمنٹ اور شعراء وغیرہ۔







"انتساب"

اُن پاک سیرت اور نورانی صورتوں کے نام جن سے مری تخلیق
ہوئی، جنھوں نے اپنی لازوال محبت، شفقت اور تربیت کے
نور سے مٹی کے اس دیئے کو روشن کر دیا۔ جن کا سایۂ
عاطفت خدا کی رحمت کی طرح مری زندگی کو پچاس برسوں
تک اپنے احاطہ میں لئے رہا۔ لیکن اس کے اٹھ جانے
کے بعد بھی اپنے ارد گرد ان ہی روحانی طاقتوں کی آہٹیں
محسوس کرتا رہتا ہوں۔ کسی تکلیف اور مصیبت کے وقت
کل بھی ان کو پکارتا تھا اور آج بھی بچوں کی طرح یاد کرتا
ہوں۔
وہ خلد آشیانی عظیم شخصیتیں ہیں میری پیاری ماں،
باپ، مرے دادا اور دادی جن کی بخشی ہوئی دولت محبت،
علم و اخلاق کا فیض ہے کہ نگار خانۂ ادب میں چند نقوش
روشن پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں :-

روشن علی خاں

روشن بنارسی

عرضِ روشن

دنیا میں آ گئے ہیں تو کائنات پر غور کریں

مظاہرِ قدرت کا مطالعہ کر کے اپنی ان قوتوں کو بروئے کار لائیں جو ہمارے اندر ودیعت کر دی گئی ہیں۔ نظامِ تمدن میں ایک عضوِ مفید کی حیثیت پیدا کریں۔ ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی کریں اور اپنی سعی و کوشش سے دنیا کو اپنے لئے فردوس بنالیں۔ دنیا میں اخوتِ عام وانسانیت کے رشتہ کو مضبوط کرنے کا جذبہ بیدار کرتے ہوئے ہر ممکن ترقی کے حصول پر اپنے کو آمادہ کریں۔ لیلا تنگ نظری سے دور رہ کر دنیا کو دعوتِ عملِ خیر دے کر ایک مرکز پر ایک غرضِ مشترک کے ساتھ جمع کرنے کی بھرپور کوشش کرنا ہی اپنی حیاتِ مستعار کا مقصد رہا ہے۔

دل کو یوں تری محبت نے دیا احساسِ درد

دوسروں کے غم کو اپنا غم بنانا ہی پڑا

قدرت نے مجھے جتنا شاعرانہ ذہن عطا فرمایا اور اس کو کام میں لانے کے لئے حالات نے جتنا مجھے وقت بخشا ان سب اشعار کے مجموعہ کا مختصر حصہ کائناتِ روشن حصہ اوّل ہے۔

میں نے اپنے اس مجموعہ کلام کو ۵ حصوں میں منقسم کیا ہے۔

(۱) غزلیات (۲) رباعیات و قطعات (۳) نظمیں (۴) تاریخی و عقائدی قطعات (۵) مختصر قصائد و سلام۔

زیادہ تر ان ہی کل اصنافِ سخن کا مجموعہ ادبِ اردو کی جان اور شان مانا جاتا ہے۔ اس لئے اپنی ادبی خدمت کے بر درخت سے اپنی صلاحیت کے مطابق خوشہ چینی کر کے اربابِ فکر و نظر کے سامنے پیش کرنے کی

جرأت کر رہا ہوں:-

یہ بھی اتفاق ہے کہ میری بہترین کاوشوں اور غور و فکر سے بھرپور اشعار کی ایک بیاض اور اس کے ہمراہ کچھ نہایت اہم دستاویزات یا تو ضائع ہو گئے یا کسی کو پیارے ہو گئے۔

قارئین کرام سے اور نقادانِ فن سے خاص طور پر عرض ہے کہ اس حقیر بندۂ پر تقصیر سے غلطیوں کا سرزد نہ ہونا حیرت کی بات ضرور ہوگی لہٰذا میری غلطیوں کو نظر انداز فرماتے ہوئے اگر کوئی بات پسند خاطر ہو تو اس حقیر کو دعاؤں میں ضرور یاد فرمالیں:-

شکریہ

روشنؔ بنارسی

دُعائیہ

میرے استاد معظم جناب حکیم سید محمد کاظم بنارسی کے رشحات قلم اس وقت موصول ہوئے جب کتابت کا کام ختم ہو رہا تھا۔ محض تبرکاً چند سطور شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں مکمل مضمون میرے لئے باعث افتخار ہے اس کو انشاءاللہ کسی دوسری طباعت میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا:۔

روشن

عزیزم روشن علی خاں سلمہٗ بنارس کے مشہور محلہ چاہ مہماں میں سمتہ ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے ...... ایسی پُرکشش شخصیتیں کم دیکھی گئی ہیں جن کے متعلق کچھ تحریر کرنے میں دلچسپی اور حوصلہ محسوس کیا جائے جب سے یہ معلوم ہوا کہ مجموعۂ کلام روشن ہزاروں الجھنوں کے بعد بھی مرتب کیا جا چکا ہے بے ساختہ دلمیں آیا کہ روشن سلمہٗ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

روشن سلمہٗ جو نہ صرف میرے عزیز ہونہار خوش گو اور باسلیقہ شاگرد ہیں بلکہ خوبصورت کردار اور ادبی ماحول میں اپنے خاص انداز سے ایک اہم مقام کے حامل بھی ہیں۔ آج پھر انکو دیکھ کر محسوس کر رہا ہوں کہ نجو خاں صاحب (دادا صاحب) اور عاشق حسین صاحب (پدر بزرگوار) کے حسن کردار کی وراثت اور انکی شفقت و محبت بھری دعاؤں کا اثر ایک پیکر کے روپ میں ہے جس کو واقعی روشن کہا جا سکتا ہے:۔

روشن سلمہٗ نے اپنی افتاد طبع اور ادبی معلومات کا شوق پورا کرنے کے لئے علامہ صفی لکھنوی سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔ علامہ موصوف

نے کافی شفقت فرمائی اور اصلاحوں سے نوازا۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ روشن سلمہٗ نہایت غور و فکر سوچ سمجھ اور اعتماد سے شعر کہنے کے عادی ہیں۔ جذبات کی روانی میں خوب شعر کہتے ہیں لیکن بہکتے نہیں۔

ایک وقت تھا جب روشن سلمہٗ مشاعروں میں کسی شاعر کے غلط یا خام شعر کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، داد طنزیہ سے شاعر کو بیدار کر دیتے تھے بلکہ غلط مصرعہ یا شعر کو اسی وقت صحیح پڑھ کر اصلاح کر دیا کرتے تھے لیکن جلد ہی انہوں نے اپنی اس کمزوری کو محسوس کر کے سنجید گی اختیار کر لی۔ نہایت مرصع اشعار کہتے ہیں اور تخلص سے چار چاند لگا دیتے ہیں۔

روشن سلمہٗ کی ترقی کا سب سے بڑا راز ان کی اپنی خداداد شاعرانہ صلاحیتیں، عام انسانی ہمدردی، بے لوث خدمت خلق وطن سے محبت اور دفتر کے فرائض کی انجام دہی میں انہماک ہے۔ میٹھی زبان، خوش اخلاقی اور منکسر مزاجی نے بہت زیادہ کشش بھر دی ہے۔

روشن سلمہٗ نے اپنے وطن عزیز بنارس کی طرح دہلی کے ادبی حلقوں، مجالس و محافل اور مشاعروں میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے اپنی ہر دل عزیزی، عزت اور شہرت میں خاص بلند مقام حاصل کر کے بنارس کا نام روشن کیا ہے۔

دہلی میں قریب ۲۸ برسوں سے بنارس کی نمائندگی کرتے رہے ہیں ان سے مل کر دہلی سے واپس آنے والوں کی زبان سے سوائے انکی تعریفوں کے آج تک کسی سے شکایت نہیں سنی۔

رٹائر ہونے کے بعد اب دینی اور ادبی مشاغل میں اور لوگوں کی ہر ممکن فلاح و بہبود کے کام میں مشغول رہتے ہیں۔ ہم قوی امید

کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ملک کے اس شاعر زریں کلام کے مجموعۂ کائنات روشن کی غزلوں اور نظموں سے عوام میں ادبی رجحان بڑھے۔ وطن پرستی کا جذبہ بیدار ہو اور کلام اتنا مقبول ہو کر درسی کتابوں کی زینت بن کر طالب علموں میں نئی روح پھونکے۔ آمین

کیفیت، سادگی، جدت طرازی، جذبات نگاری، خیال آفرینی اور جذبہ حب الوطنی کے انداز نہایت نمایاں طور پر کائنات روشن میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں ::

کاظم بنارسی
جون ۸۳ء

غزلیات

روشن بنارسی

"روشن میری نگاہ میں"

(از عالیجناب ڈاکٹر رگھوناتھ سنگھ صاحب سابق ممبر پارلیمنٹ بنارس)

شری روشن علی خاں روشن بنارسی کے بارے میں، میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ ان کے بزرگ بنارس کے نہایت شریف رؤسا میں تھے۔ اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ ہمارے ان کے تعلقات ہم خیال ہونے کی وجہ سے نہایت خوشگوار تھے یار روشن، بنارس کے رہنے والے ہیں وہ ہم کو جانتے ہیں اور ہم ان کو۔ ایک دوسرے سے پیار ہے اور بس، میری نگاہ میں کارآمد اور پرکشش شخصیتوں کے متعلق زبان و قلم کا خاموش رہنا ایک جرم ہے۔

انسان کی عظمت اس کے ہنر، فن، علم و عقل اور اس کے ذاتی کردار پر منحصر ہوا کرتی ہے۔ یہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں کہ ٹھاکر رابندر ناتھ ٹیگور، قاضی نذرالاسلام، میر تقی، میر غالب، علامہ ڈاکٹر اقبال، پنڈت برج نرائن چکبست، جوش ملیح آبادی، رگھوپت سہائے، فراق گورکھپوری اور آغا حشر کاشمیری وغیرہ کی عزت اور شہرت محض ان کے بزرگوں کے خاندانی وقار کی بنیاد پر ہوئی ہے بالکل غلط ہے۔ ان کا اپنا کمال فن، جذبہ اخلاص ومحبت وحب الوطنی اور خداداد ذہنی ارتقا کے ساتھ ان کا اپنا اسلوب بیان اور انداز شاعری تھا جس نے ان لوگوں کو نہ صرف اپنے ہم جلیسوں میں بلکہ اپنے وطن اور وطن سے باہر کی دنیا میں عظمت بخشی اور پوجا کے قابل بنا دیا۔

ہیں اپنے تجربات کی روشنی میں اور شاعرانہ خوبیوں کے پرکھئے (جوہری) کی حیثیت سے یہ اعلان کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کرونگا کہ میری نگاہ میں روشن بنارسی اپنی شاعرانہ بلندیوں کے لحاظ سے متذکرۂ بالا شعراء کرام سے کم درجہ نہیں رکھتے۔ اپنی فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ان کے سینے میں وطن پرستی اور انسان دوستی سے بھرے جذبات کا جو دل دھڑک رہا ہے وہی ان بزرگ عظیم شعراء کے سینوں میں بھی تھا۔ غور و فکر، تلاش و جستجو، حسن و عشق کی گفتگو انقلاب و آزادی کے لئے جد وجہد جس طرح ان بلند پایہ شعراء وادبا کا حصّہ رہا ہے روشن بنارسی بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی ہیں۔

ان کے کلام کو ہر سننے اور پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور شاعر سحرالبیان کا معجزہ بھی یہی ہوتا ہے جس سے ہمارے روشن بنارسی کو بھگوان نے مالا مال کر رکھا ہے۔ ایک خاص بات جو روشن بنارسی کے کلام میں پائی ہے وہ ان کی سادہ ہلکی پھلکی گنگا جمنی زبان ہے۔ بوجھل تشبیہات، استعارات و غیر مانوس تلمیحات کے استعمال سے بچتے ہیں۔ دور از فہم مبالغہ سے کام نہ لیکر حالات و جذبات کی سچی اور دلکش تصویر ذہن انسانی سے قریب تر ہو کر پیش کرتے ہیں۔ یہ شعر دیکھئے ریل کی تعریف میں کہتے ہیں ؎

رات میں دور سے کیا حسن یہ دکھلاتی ہے
دیپ مالا ہے کہ گنگا میں بہی جاتی ہے

کس خوبصورت اور اچھوتے انداز سے بات کہی گئی۔ جدت، ندرت اور نئی ترکیبوں سے کہے گئے کتنے ہی دلکش اشعار کا خزانہ

مجموعہ کلام روشن ہے ۔

میں نے دیکھا ہے کہ مشاعروں میں روشن نے جب اپنا کلام پیش کیا تو نہایت خوبصورت پرسوز دلکش ترنم کی ہلکی پھوار میں جس سے اشعار کے شاداب چہرے اور نکھر کر سامنے آجاتے ہیں ۔ یہ کیفیت ہمعصر شعراء میں بہت کم نظر آتی ہے ۔

روشن بنارسی نے اپنے فن شاعری کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ اپنی اس عظیم دولت سے ملک و قوم اور ادب کی بے لوث خدمت کر کے فخر محسوس کرتے رہے ہیں ۔ ان کے اس جذبہ کی ہم بیحد قدر کرتے ہیں ۔ میں نے بنارس میں کوئی مشاعرہ ایسا نہیں دیکھا جس کی زینت روشن سے محروم رہی ہو ۔ ایک بار بنارس کی بڑی نمائش میں آل انڈیا مشاعرہ کا میں نے اعلان کیا ۔ مجاز لکھنوی، جگر مرادآبادی، قیصر زیدی دہلوی، جوش ملیح آبادی اور رگھوپت سہائے فراق گورکھپوری کے علاوہ مخصوص مقامی شعراء حکیم محمد کاظم نذیر بنارسی اور روشن کا نام پوسٹروں اور ہینڈبل میں شائع کر دیا ۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ روشن رابرٹس گنج مرزاپور میں ہیں کسی صورت سے پتہ معلوم کر کے انکو تار دیدیا گیا فکر یہ کہ ۲ روز بعد مشاعرہ ہوگا وہ کیسے شرکت کریں گے ۔ وقت گذرتا گیا مشاعرہ شروع ہونے میں چند منٹ رہ گئے ۔ سارے شعراء ڈائس پر موجود صرف روشن کی کمی ۔ حیرت کی انتہا نہ رہی جب یکایک ایک نوجوان خوبصورت سوٹ پہنے گھنگھرالے سیاہ بال بکھرائے مسکراتا ہوا مجھ سے بغلگیر ہوا میں نے فوراً خوشی میں مائیک پر روشن کی

آمد کا اعلان کیا شعراء و سامعین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مشاعرہ میں روشن نے جھوم کر غزل پڑھی سماں بندھ گیا ½۳ بجے رات کو مشاعرہ ختم ہوا۔ جب میں نے دیر سے آنے کا سبب دریافت کیا تو راز کھلا کہ جنگل میں تاخیر سے تار ملا طبیعت بھی خراب تھی پھر بھی فوراً کسی طرح ٹرک اور بس وغیرہ کے ذریعہ بھاگے چلے آ رہے ہیں راستے میں کہیں کھانا بھی نہ مل سکا۔ ظاہر ہے کہ تعلقات اور ادب دوستی کا یہ وہ جذبہ ہے جس کی جتنی قدر ہو کم ہے

انگریزوں کے دور حکومت میں بنگال میں زبردست قحط پڑا۔ روشن کا دل جذبۂ انسانیت اور اہل وطن کی محبت سے بھر آیا۔ "بنگال کی بھوک" کے عنوان سے پُر درد اور پر کشش نظم کی تخلیق کر ڈالی۔ غازی پور کے ایک بڑے مشاعرہ میں پڑھی۔ ہزاروں روپیہ کا چندہ کروا کر روشن نے بنگال ریلیف فنڈ کو بھجوا دیا۔ لیکن ایسی کارگذاریوں کا ذکر بھی عیب سمجھا کیونکہ انہیں نام و نمود نہیں بلکہ خاموش خدمت ہی میں مزا آتا ہے۔ بقول انکے خود سے

خدمت خاموش کو سمجھیں گے بس اہل نظر
شمع کے مانند روشن اپنی محفل میں ہے

اپنے تخلص سے فائدہ اٹھانا اسکو موتی کی طرح جڑ نا روشن کا خاص کمال ہے۔

ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں مہاتما گاندھی گولی سے شہید کئے گئے بنارس میں بنارس کے اس شاعر فطرت کا دل بےچین ہوگیا۔ ایک بیٹھک میں اپنے غم اور اہل وطن کے شدت جذبات کا اظہار ایک نئی نظم "پہلی ہی منزل پہ میر کارواں مارا گیا" کے ذریعہ کر ڈالا۔ دوسرے

روز بنارس میں مہاتما گاندھی کے سوگ میں ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں قریب ایک لاکھ ہندو مسلمان سکھ عیسائی مرد اور عورتوں نے آزادی ہند کے اس پہلے شہید اعظم کو شردھانجلی دینے کے لئے شرکت کی۔ میری تقریر کے بعد روشن بنارسی نے اپنی نو تصنیف نظم نہایت پُردرد غمگین ترنم سے پیش کی سامعین مرد و عورت بے تحاشہ رُو پڑے اس کے بعد ارتھی اٹھی جوش کے ساتھ گنگا جی لے جائی گئی۔ یہ نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ کتنے ہی مشاعروں میں اصرار کے ساتھ پڑھوائی گئی اور اخبارات میں چھپی۔ انہی دنوں جے نرائن ہائی اسکول میں ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوا۔ مولوی عبدالمجید صاحب کی خاص فرمائش پر روشن نے پھر ایک نظم کہی اور پڑھی "گرا ہے ہند کی قسمت کا تاج دہلی میں" جو بہت مقبول ہوئی اور موضوع بحث بنی رہی۔

"صبح بنارس" کے عنوان سے ہندوستان اور پاکستان کے کتنے ہی اردو شعراء نے نظمیں کہی ہیں اور شاید اس پوتر استھان کی قدرتی دلکشی سے متاثر ہو کر آئندہ بھی کہتے ہی رہیں گے۔ لیکن روشن صاحب کی سنجیدہ اور تڑپا دینے والی نظم "بنارس کو الوداعی سلام" میں جو کشمکش اور کیفیت میں نے محسوس کی اس کا اندازہ اس خاص واقع سے لگایا جا سکتا ہے۔ بھی سرائے میں ایک مشاعرہ میری صدارت میں ہوا (اسوقت میں ممبر پارلیمنٹ تھا) جناب وامق جونپوری، میکش غازی پوری، نفا بنارسی، نذیر بنارسی کاظم بنارسی، شیو مورت لال قیس بنارسی اور روشن کے علاوہ کافی تعداد میں شعرا

اور سامعین سے مشاعرہ گاہ چھلک رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرے شاعر اپنے اپنے کلام کا سکہ بٹھاتے چلے جا رہے تھے کہ روشن صاحب کے نام کا اعلان کیا گیا۔ موصوف نے نہایت متانت سے اپنی نو تصنیف نظم 'بنارس کو الوداعی سلام' پیش کی۔ ہم سب حیرت زدہ ہو کر سن تو رہے تھے اور تعریفیں بھی کر رہے تھے لیکن ذہن میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی کہ نظم نے موڑ لیا اور شدت جذبات پر نظم پُرسوز ترنم میں گم ہو گئی۔ میں نے صدر مشاعرہ کی حیثیت سے فوراً ایک مختصر تقریر روشن صاحب کے متعلق کی اور اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ روشن صاحب بنارس چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ اس پر شعراء اور سامعین نے بھی ہاتھ اٹھا کر جوش سے میری آواز سے آواز ملائی کہ ان کا یہ ہر دلعزیز پیارا شاعر اپنا عزیز وطن نہیں چھوڑے گا۔ اور وہی ہوا میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ضرور ہوا کہ روشن نے بھی اس آزمائشی دور کی مصیبت کو ہنستے کھیلتے خاموشی سے جھیل لیا۔ لیکن اپنی خودداری اور غیرت پر حرف آنے نہ دیا۔

۱۹۵۴ء میں جناب لال بہادر شاستری وزیر ریلویز کی انصاف پروری کی بناء پر ریلوے ملازمت پر پھر سے لے لئے گئے۔ بحال ہونے کے بعد ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۸ء میں ریلوے ویک میں فنکار کی حیثیت سے شرکت کے لئے دہلی بلوائے گئے۔ اور وہیں رہ کر نئی نظم 'کاروان وطن' اور 'نبض گیتی' یکے بعد دیگرے کہی۔ ۵۶ء میں شری لال بہادر شاستری وزیر ریلوے نے روشن کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب پہلے صدر جمہوریہ ہند

سے تعارف کرایا۔ اسی کاروانِ وطن کی ہزاروں کاپیاں اردو میں ہیڈ کوارٹر آفس این ریلوے نے چھپوائیں اس کا انگریزی ترجمہ بھی چھپوا کر نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے ایک بڑے جلسہ میں تقسیم کروایا۔

۱۹۵۷ء میں ریل منتری شری جگ جیون رام صاحب کی صدارت میں اور شہنواز خالصاحب نائب وزیر ریلویز کے زیر انتظام ناردن ریلوے اور ریلوے بورڈ نے ریلوے ویک کے ایک بڑے جلسہ کا انتظام کیا۔ "نبض گیتی" کی ہزاروں کاپیاں محکمہ نے عمدہ کاغذ پر اردو میں چھپوا کر تقسیم کی۔ روشن کی یہ نظم بھی پڑھنے کے بعد بہت مقبول ہوئی اور کچھ اشعار زبان زد خاص و عام ہوئے۔ اسی دوران ویلفیر انسپکٹر کی حیثیت سے منسٹری آف ریلویز ریلوے بورڈ نئی دہلی میں منتخب کر لئے گئے۔ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور خوش اخلاقی کا ایسا جوہر دکھایا کہ اپنے محکمہ اور دہلی میں ہر دلعزیز ہو کر بڑی شہرت کے مالک ہو گئے۔

میرے ہمراہ ہر سال عید ملن اور ہولی ملن کے پروگرام بناتے اور کامیابی کے ساتھ انجام دیتے۔ پریسیڈنٹ ہاؤس اور پرائم منسٹر ہاؤس میں کتنے ہی ایسے قومی تہواروں کے پروگراموں میں پڑھنے کے لئے نئی نئی نظمیں بھی کہیں۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب، پنڈت جواہر لال نہرو صاحب، جگجیون رام صاحب، حافظ محمد ابراہیم صاحب، ڈاکٹر سید محمود صاحب اور شری لال بہادر شاستری سے روشن صاحب اپنی خوبیوں کی بنا پر بہت قریب تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب و فخرالدین علی احمد صاحب صدر جمہوریہ ہند اور مرار جی ڈیسائی صاحب ۔ وزیراعظم ہند بھی روشن صاحب کی تعریف کرتے پائے گئے ہیں :

بنارس، کاشی، وارانسی کی پوتر دھرتی پر ستمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں محلہ چاہ مہاں میں عاشق صاحب بنارسی کے یہاں روشن پیدا ہوئے۔ اس دھرتی پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

اے مرے اچھے بنارس کعبۂ اہل ہنود
ایک دنیا کے لئے تیری زمین جائے سجود
تیرے قدموں پر تری گنگا کی یہ موج رواں
ماہ نو کے پاس جیسے آ گئی ہے کہکشاں
اپنے جیون کو امر اور مکت کرنے کیلئے
لوگ آتے ہیں تیرے قدموں پہ مرنے کیلئے

عقیدہ اہل ہنود اور مائیتھالاجی کے ساتھ بنارس کے محل و وقوع پر جس حسن سے اظہار خیال کیا ہے تعریف سے بالاتر ہے۔

پھر بڑے فخر سے یہ تعارفی قطعہ آج بھی وہ پڑھتے ہیں ؎

علم و ہنر کے شہر کی گنگا ہے آرسی
ہستی ہے میری کوچے میں جسکے غبار سی
بے نام و بے ہنر کا تعارف نہ پوچھیئے
کہتے ہیں خاکسار کو روشن بنارسی

زبان کی سادگی کے ساتھ جذبۂ حب الوطنی، لطف شاعری یعنی غبارسی کے بعد چوتھے مصرعہ میں خاکسار کے ساتھ روشن بنارسی، کتنا حسن

دے رہا ہے ؎

ملازمت کے سلسلہ سے اپریل ۱۹۵۶ء سے ویلفیر انسپکٹر کی حیثیت سے منسٹری آف ریلویز ریلوے بورڈ نئی دہلی میں کام کرتے رہے اور ترقیاں کرتے رہے ۱۹۷۶ء میں وزیر ریلویز پروفیسر مدھو ڈنڈوتے صاحب کی نگہہ انتخاب اس شاعر، ایماندار اور ہمدرد خاص و عام پر پڑی۔ اسی وقت روشن صاحب کو ویلفیر آفیسر کی حیثیت سے کام دینے کے ساتھ انکو Complaints and Grievances Cell کا انچارج بھی بنا دیا یہ سارے کام کچھ اس خوبی اور دیانتداری و قابلیت سے انجام دیئے کہ انکے ریٹائر ہونے کی خبر سے ڈنڈوتے صاحب کو تکلیف ہوئی اور افسوس کے ساتھ چھوڑا۔ ۵۸ برس کی عمر میں اگست ۱۹۷۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ وہ شیعہ جامع مسجد ہملٹن روڈ کشمیری گیٹ دہلی کے رہائشی مکان میں آج بھی مقیم ہیں۔ حسنِ شاعری و حسنِ عقیدت کی سچی تصویر ان کے اس قطعہ سے صاف ظاہر ہے ؎

ہوں نور یادہ کعبۂ اہل ہنود کا
بھارت کی راجدھانی نے دل میں بٹھا لیا
روشن کو دیکھے دامن مسجد میں عافیت
اللہ میاں نے اپنا پڑوسی بنا لیا

روشن صاحب کو دہلی بہت راس آئی۔ ان کا ایک لڑکا ہے۔ یوسف علی خاں ایم اے بی ایڈ جو لکچرار ہے گورنمنٹ انٹر کالج میرٹھ میں، ۲ لڑکیوں نے بی اے کیا جو سنٹرل گورنمنٹ کی ملازمت پر ہیں، چھوٹی لڑکی ایم اے کر رہی ہے اور بڑی لڑکی بھی تعلیم یافتہ ہے لیکن

شادی کے چند سال بعد بیچاری بیوہ ہو گئی۔ پوتے اور پوتیاں بھی سب نیک اور شریف ہیں بھگوان سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمارے اس نیک دل شاعر کو بہت بھلا کرے۔ گنگا جمنا کی طرح لمبی زندگی دے، دیش اور جنتا کی خدمت کا موقع دے۔

فخرِ بنارس روشنؔ بنارسی کا کلام نہ صرف اردو رسم الخط بلکہ ہندی میں بھی چھپے تو مجھے بیحد خوشی ہو گی تاکہ نہ صرف بنارس بلکہ ہندوستان اور اس سے باہر کے عقیدت مند اور ادبی دنیا کے لوگ فائدہ اور لطف اٹھا سکیں ؛

دستخط اردو میں — دستخط انگریزی میں

(رگھوناتھ سنگھ) — (Raghunath Singh)

30-4-82 — 30-4-83

Advocate,
Ex Member Parliament,
Ex Chairman, Hindustan Zinc Limitted, Jaipur, Rajasthan,
Ex Chairman Shipping Corporation of India (Bombay).

۷۸۶

آئینہ دارِ جلوۂ جانانہ بن گیا

ہر ذرہ کائنات کا دیوانہ بن گیا

محفل میں انکی صورت پروانہ بن گیا

جسمیں ذرا بھی ہوش تھا دیوانہ بن گیا

قائم رہا نماز میں بھی ذوقِ معصیّت

اٹھے دُعا کو ہاتھ تو پیمانہ بن گیا

تیری سمائی وسعتِ کونین میں نہ تھی

یہ میرا دل تھا جو ترا کاشانہ بن گیا

کچھ اس طرح سے حشر میں بدلی مری زبان

میرا فسانہ آپ کا افسانہ بن گیا

مجھ رندِ بادہ مست کی قسمت تو دیکھئے

ابرِ کرم بھی جوش میں میخانہ بن گیا

روشنؔ زہے نصیب کہ قدموں میں حسن کے

میں جان دیکے حاصلِ افسانہ بن گیا

نہ صرف آئینہ گر، حسن آئینہ ہوں میں
بشر کی شکل میں اپنا ہی معجزہ ہوں میں

کھلے نہ فہم پہ وہ راز برملا ہوں میں
نہ ابتدا ہوں میں اپنی نہ انتہا ہوں میں

شراب ہوں، کہیں ساقی، میکدہ ہوں میں
کہیں صنم ہوں، پجاری، کہیں خدا ہوں میں

بلند و پست، نظر بندی تصور ہے
وگرنہ بحر کا انداز دلربا ہوں میں

حباب و موج ہوں دریا ہوں ریگ و صحرا ہوں
شمیم گل ہوں، بہار و خزاں، خلا ہوں میں

سمجھ سکو تو تمہارے ہی دل کی دھڑکن ہوں
وگرنہ دور بہت دور کی صدا ہوں میں

یہ چاند تارے ضیا سے جو میری روشن ہیں
انہیں کی سمت زمانہ کو لا رہا ہوں میں

بقدر ظرف وہ ہی کائنات روشن ہے
نگاہ و دل کو جو عرفان دے چکا ہوں میں

کبھی جو خواب پریشاں سے چونک اُٹھا ہوں میں
سحر کی طرح زمانہ پہ چھا گیا ہوں میں

حریم ناز کے پردے اُٹھا چکا ہوں میں
جہاں نہ جا سکے کوئی وہاں گیا ہوں میں

ہر ایک شے نظر آئی ہے میرے زیر نگیں
کبھی جو حدِ تعین سے بڑھ گیا ہوں میں

اک ایسا وقت بھی آیا ہے دورِ الفت میں
قریب آئی ہے منزل تو کھو گیا ہوں میں

فلک پہ سجدے کئے تھے ملائکہ نے مجھے
زمیں پہ نقش ملامت بنا ہوا ہوں میں

نہیں ہے کیوں میرے قبضہ میں کائنات میری
ضرور مرکزِ اصلی سے ہٹ گیا ہوں میں

تری نگاہ کرم جب سے پھر گئی مجھ سے
عجیب بات ہے اپنے سے بھی خفا ہوں میں

مرے وجود سے روشن ہے محفلِ عالم
زہے نصیب کہ فطرت کا مدعا ہوا میں

نہ میں نے کہا کچھ نہ کچھ تم نے جانا
نگاہیں ملیں بن گیا اک فسانہ

غزل میرا پڑھنا ترا مسکرانا
پلٹ آئے اے کاش پھر وہ زمانہ

تری دید کا شوق تھا اک بہانا
مجھے دل کی قوت کو تھا آزمانہ

جسے تم سمجھتے ہو اپنا زمانہ
بنا کر رہے گا تمہیں اک فسانہ

جو ٹھکرایا تم نے جگہ دی لحد نے
مسافر کو مل ہی گیا اک ٹھکانا

بنائی تھی جس راہ پر ہم نے منزل
اُسی راہ پر چل رہا ہے زمانہ

فسانہ سمجھتا تھا میں اس جہاں کو
مگر آج خود بن گیا ہوں فسانہ

اٹھے ہیں ہمارے قدم جس جگہ سے
وہیں پر جھکی ہے جبین زمانہ

ترا ذوق مشق ستم دیکھنا تھا
بنانا پڑا پھر مجھے آشیانہ

اُٹھا دوں اگر اس جبین وفا کو
تو رستا رہے گا ترا آستانہ

نہ بدلے گی ہرگز روش اپنی روشن
بدلتا رہے رنگ اپنا زمانہ

کہہ بھی سکیں گے شدتِ دردِ نہاں سے ہم
کہہ تو رہے ہیں قصۂ غم درمیاں سے ہم

کہنے بھی پائے تھے نہ کچھ اپنی زباں سے ہم
مجبور ہو گئے نگہہ بدگماں سے ہم

ابتک ادا نہ کر سکی جس کو زبانِ خلق
وہ راز کہہ گئے نگہہ ناتواں سے ہم

تیری کشش کہیں کہ اسے ذوقِ جستجو
آگے نکل گئے حدِ کون و مکاں سے ہم

کھلنے لگا ہمارے لئے پھر قفس کا در
مانوس ہو رہے تھے ابھی آشیاں سے ہم

یہ مُہر اپنے نام کی ہے قبر مت کہو
چھُوٹے نہیں ہیں مر کے بھی ہندوستان سے ہم

دنیا تھی اسکی تلخ بیانی پہ شکوہ سنج
ظالم کو رام کر گئے میٹھی زباں سے ہم

کل کی بات آنکھیں دکھاتے رہے نجوم
اب تو مزاج پوچھتے ہیں آسماں سے ہم

روشن تمام عمر رہا ذوقِ جستجو
پھر بھی بہت ہی دور رہے کارواں سے ہم

حُسن پرورِ شباب کیا کہنا — گرمیٔ آفتاب کیا کہنا

حسن اور محوِ خواب کیا کہنا — پھر شبِ ماہتاب کیا کہنا

یہ شباب اور یہ سیاہ نقاب — ابر میں آفتاب کیا کہنا

جیسے گلشن کو رکھ لیا دل میں — نظرِ انتخاب کیا کہنا

یہ چھلکتے ہوئے شراب کے جام — یہ فضا یہ سحاب، کیا کہنا

تو نے شہہ دی گناہ گاروں کو — رحمتِ بے حساب کیا کہنا

سرو بھی خم ہے روبرو تیرے — قامتِ لاجواب کیا کہنا

دو جہاں پر ہے اقتدار ترا — دلِ خانہ خراب کیا کہنا

شمع جیسے کنول میں ہو روشن

آپ کا یہ حجاب کیا کہنا

ہاتھ میں اپنے مسرت کا خزانہ آ گیا
مشکلوں میں گھر کے جب سے مسکرانا آ گیا

بجلیاں کوندیں تو یاد اپنا زمانہ آ گیا
سامنے آنکھوں کے جیسے آشیانہ آ گیا

موجِ طوفاں کا سہارا لیکے کشتی بڑھ گئی
زندگی کو موت سے آنکھیں ملانا آ گیا

جب لگا دی مُہرِ خاموشی لبوں پر عشق نے
حالِ دل آنکھوں ہی آنکھوں سے سنانا آ گیا

اس کے دامن سے ہے وابستہ حیاتِ جاوداں
موت کے سایہ میں جس کو مسکرانا آ گیا

آ گیا پھر موسمِ گل چھا گیا ابرِ بہار
یاد آغازِ محبت کا زمانہ آ گیا

ربطِ صادق نے بدل ڈالا اندازِ حسن و عشق
یعنی مجھ کو روٹھنا ان کو منانا آ گیا

انکی سنجیدہ مزاجی کیفیت میں ڈھل گئی
میری غزلیں سنتے سنتے گنگنانا آ گیا

جب ملی ان سے نظر یوں دل کھنچا انکی طرف
جیسے نوکِ تیر پر خود ہی نشانہ آ گیا

جذب کامل دیکھئے میری جبینِ شوق کا
سر جھکا ہی تھا کہ ان کا آستانہ آ گیا

شمعِ محفل سوزِ پروانہ سے یہ کہہ کر بجھی
جس کو جلنا آ گیا اس کو جلانا آ گیا

دھڑکنوں کے تال پہ سازِ نفس بجتا رہا
رفتہ رفتہ زندگی کو گنگنانا آ گیا

جب سمجھ میں آ گیا روشن مآلِ زندگی
آ گیا دل کھول کر ہنسنا ہنسانا آ گیا

یہ مست مست پھول یہ آمد بہار کی
دنیا بدل رہی ہے دلِ بیقرار کی

مٹ کر کبھی چھٹ سکی نہ زمیں کوئے یار کی
قسمت تو دیکھئے مرے مشتِ غبار کی

بخشش کی ہے امید گنہگار کبھی سے لئے
حد دیکھنی ہے رحمت پروردگار کی

آنسو رواں ہیں گیسوئے مشکیں کھلے ہوئے
تصویر کھنچ رہی ہے شب انتظار کی

صیاد حال غنچہ و گل تجھے کیا کہوں
میں نے کبھی بھی شکل نہ دیکھی بہار کی

کچھ ہاں نہیں زباں سے ارشاد کیجئے
کیوں آس توڑیے دلِ امیدوار کی

افسانہ ختم ہو چکا بیمار ہجر کا
اب صبح ہو چکی ہے شب انتظار کی

آ کر قفس میں پوچھ مری دنیا بدل گئی
دہرا رہا ہوں اب تو کہانی بہار کی

اللہ زندگی ہے اسی زندگی کا نام
جب ہم قفس میں ہیں تو خبر ہے بہار کی

روشن ہر ایک نقش قدم پہ جھکی جبیں
کعبہ سے کم نہیں ہے زمین کوئے یار کی

اشکوں میں مسرت کا اثر دیکھ رہا ہوں
آغوش میں تاروں کی سحر دیکھ رہا ہوں

تکمیل محبت کا اثر دیکھ رہا ہوں
اپنی ہی سی ان کی بھی نظر دیکھ رہا ہوں

اللہ رے یہ محویت و جذب کا عالم
کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں مگر دیکھ رہا ہوں

وہ دور بھی تھا راہبر کون و مکاں تھا
بیٹھا ہوا اب راہ گذر دیکھ رہا ہوں

ہر شے ہے نظر بندیِ فطرت کا تماشا
دنیا کو طلسمات کا گھر دیکھ رہا ہوں

صیاد ہی باقی ہے کہیں اب نہ قفس ہے
کب جائے اسیری کا اثر دیکھ رہا ہوں

دنیا کی تمناؤں کے جھرمٹ میں تری یاد
دامانِ خزاں میں گلِ تر دیکھ رہا ہوں

شمع کی گود میں دم ٹوٹا جو پروانے کا
ان کو محسوس ہوا غم مرے مٹ جانے کا

کیف اک دل میں ہے کونین کے میخانے کا
ظرف دیکھے کوئی اس چھوٹے سے پیمانے کا

کہہ دو اب دیر و حرم سے کہ جھکیں سجدہ کو
پردہ اٹھتا ہے مرے دل کے نہاں خانے کا

خیر سے مل ہی گئے برہمن و شیخ کے دل
ختم جھگڑا تو ہوا کعبہ کا بت خانے کا

حسن گل ہی تو نہیں صرف چمن کی زینت
رنگ بھی دیکھ ذرا سبزہ سے بیگانے کا

تہہ نشیں کر دے اٹھیں موج فنا دیر نہ کر
ڈوبنے والوں کو شکوہ ہے ابھر آنے کا

جذبۂ عشق ذرا حسن کو برہم کر دے
رنگ پھر دیکھ غم زیست کے افسانے کا

روٹھ جانے میں مزا آ گیا روشنؔ آخر
شمع کو ناز اٹھانا پڑا پروانے کا

تنویر حسن دل میں سمانی چلی گئی
ذرہ کو کائنات بنانی چلی گئی

فطرت یہ کھیل روز دکھاتی چلی گئی
شکلیں بنا بنا کے مٹاتی چلی گئی

قائل ہوں میں کشش کا تری اے عروس دہر
دام فریب شوق میں لاتی چلی گئی

اللہ رے شباب کی مستی بھری نظر
فتنے قدم قدم پہ اٹھاتی چلی گئی

ہنگام نزع خواہش تکمیل آرزو
دست طلب کچھ اور بڑھاتی چلی گئی

کوئی جلا رہا تھا چراغ مزار کو
لیکن صبا کو ضد تھی بجھاتی چلی گئی

قدرت کے شاہکار پپیہے تری صدا
اک ہوک سی جگر میں اٹھاتی چلی گئی

ہر حال میں تھی انکی نظر جاذب نظر
روشن دلوں پہ نقش بٹھاتی چلی گئی

تمہاری یاد میں یہ بیخودی کا عالم ہے
نہ زندگی کی خوشی ہے نہ موت کا غم ہے

وہ ایک اشک کا قطرہ جو حاصلِ غم ہے
وہی تو زخمِ جگر کا ہمارے مرہم ہے

مقام اپنا ہے اسطرح دارِ فانی میں
کہ جیسے دامنِ گل پر ثبات شبنم ہے

بدل سکے نہ قفس کے مصائب و آلام
ہماری فطرتِ آزاد کتنی محکم ہے

مٹا چکے تھے جو مجھ کو مثالِ حرفِ غلط
زباں پہ ان کی میرا نام یہ کیا کم ہے

ہمارے عشق کا دلکش اثر ہوا روشن
کسی کی آنکھ میں آنسو ہے زلف برہم ہے

اشک غم سے حسن کا دامن بچانا ہی پڑا
ان کو خوش رکھنے کی خاطر مسکرانا ہی پڑا

عشق کے نغموں سے دل کو جھوم جانا ہی پڑا
ساز غم پر زندگی کو گنگنانا ہی پڑا

دل کو یوں تیری محبت نے دیا احساسِ درد
دوسروں کے غم کو اپنا غم بنانا ہی پڑا

وضعدارئیے محبت کا خیال آ ہی گیا
جان کر سب کچھ فریب حسن کھانا ہی پڑا

دیکھ کر حسنِ حقیقت آئینہ میں موت کے
مادیت کی خودی کو سر جھکانا ہی پڑا

اک نئی دنیا نئی شام و سحر کی فکر میں
حلقۂ دار و رسن کو آزمانا ہی پڑا

ایک ایسا وقت بھی گذرا ہے راہ شوق میں
حسن سے جب عشق کو دامن بچانا ہی پڑا

ذوقِ تکمیلِ عمل کو تھی مصائب کی تلاش

اک حریفِ زندگی آخر بنانا ہی پڑا

بجلیوں سے فطرتِ تعمیر کو ضد ہو گئی

اک نشیمن پھر گلستاں میں بنانا ہی پڑا

کھینچ کے مرکز کی طرف ہر شے کو آنا تھا ضرور

آخر ان کو بھی مری منزل پہ آنا ہی پڑا

موت کیا کرتی مگر اسکی مشیت جان کر

خود چراغِ زندگی روشنؔ بجھانا ہی پڑا

ہم سمجھ کر بنے ہیں دیوانے

آپ آئے ہیں کس کو سمجھانے

شمع روشنؔ ہے اور پروانے

ایک عنوان لاکھ افسانے

منحصر ہے عطائے ساقی پر
کب چھلکتے ہیں خود سے پیمانے
راز کونین فاش ہو جائیں
آدمی پہلے خود کو پہچانے
جن کے گیسو ابھی پریشان ہیں
زلفِ دوراں چلے ہیں سلجھانے
جس پہ گذری ہے پوچھئے اس سے
دل کی باتیں زباں کیا جانے
آؤ مل جل کے دو گھڑی ہنس لیں
کل کہاں ہوں گے ہم خدا جانے
ہم جنوں پیشہ جب نہیں ہوں گے
کس کے گھر جائیں گے یہ ویرانے
معنیٔ انقلاب سمجھا ہوں
جب سے تم ہو گئے ہو بیگانے
بند کر دو میری زبان لیکن
بے زبانی کہے گی افسانے
جام روشنؔ ہی رہ گیا خالی
تو نے چھلکائے سب کے پیمانے

کیا کہا عشق نے خدا جانے
بول اٹھے حسن کے صنم خانے

اس جگہ پر ہیں تیرے دیوانے
راستہ پوچھتے ہیں فرزانے

شمع کی سمت کون دوڑے گا
شمع بن جائیں گے جو پروانے

اک اشارے سے چشم ساقی کے
رقص میں آ گئے ہیں پیمانے

واردات نگاہ و دل کی قسم
بے حقیقت نہیں ہیں افسانے

خود مسافر کے ساتھ منزل ہے
چشم بینا اگر ہو پہچانے

وہ ہی اپنے شریک غم نکلے
ہم سمجھتے تھے جن کو بیگانے

بڑھ رہا ہوں حیاتِ نو لیکر
مجھکو آواز دی ہے فردا نے

مقصد زندگی بس اتنا ہے
آدمی آدمی کو پہچانے

سعیٔ پیہم کا رنگ ہے روشنؔ
صورت گلستاں ہیں ویرانے

کیوں دیکھنے کلیم گئے حسن یار کو
جب اعتبار تھا نگہہ اعتبار کو

دیوانۂ بہار کی اللہ رے بیخودی
ڈھونڈھا کیا بہار میں فصل بہار کو

پھر کیوں جہاں میں طور کا افسانہ بنگیا
ہونا تھا بے نقاب اگر حسن یار کو

آتا ہے پردہ دارِ محبت مزار پہ
بڑھ کر صبا بجھا دے چراغ مزار کو

ہو جائے کچھ نہ حسن کی فطرت میں انقلاب
کیوں آپ چھیڑتے ہیں دلِ بیقرار کو

اوراقِ گل چمن میں ہیں تصویرِ معرفت
دیکھے تو کوئی صنعتِ پروردگار کو

ہاں ہاں نشاطِ روح ہیں گلشن کی مستیاں
کوئی خزاں رسیدہ سے پوچھے بہار کو

کوئل کی کوک سبزۂ خوابیدہ کا نکھار
اک ٹھیس لگ رہی ہے دلِ بیقرار کو

میدانِ حشر و نشر میں روشن ترے گناہ
ڈھونڈیں گے بڑھ کے رحمتِ پروردگار کو

تمہاری یاد کو دل سے کبھی بھلا نہ سکے
یہ تھا وہ نقشِ محبت جسے مٹا نہ سکے

سفینہ ساحلِ امید پر لگا نہ سکے
محیطِ غم کے تھپیڑوں سے بچ کے جا نہ سکے

جگر کے داغ سے ابتک دھواں سا اٹھتا ہے
چراغ تم نے جلایا مگر بجھا نہ سکے

رہوں گا یوں ترے در پر مثال نقش قدم
کہ تو بھی چاہے اٹھانا تو پھر اٹھا نہ سکے

اٹھا لیا دلِ ناداں نے مسکرا کے اُسے
وہ بار جنّ و ملک بھی جسے اٹھا نہ سکے

سناتے آنکھوں ہی آنکھوں میں حال کچھ لیکن
کسی کی تیز نگاہی کی تاب لا نہ سکے

بجائے عشق وہ دے درد عشق اے یارب
کہ چارہ ساز بھی جس درد کو مٹا نہ سکے

چراغ جو کئے تو نے جہاں میں روشن
زمانے والے اسے پھر کبھی بجھا نہ سکے

سمجھ لو ہو گی نہ تکمیل عشق اے روشن
جو اپنے دل کو حریف ستم بنا نہ سکے

اک درد ایک یاس کی دنیا فغاں میں تھی
خود دل کھینچے وہ بات مری داستاں میں تھی

آخر کسی کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے
اک داستانِ درد مری داستاں میں تھی

بس اک نظر میں قصۂ ہستی سنا دیا
طاقت کہاں کی یہ نگہِ ناتواں میں تھی

ناکامیابِ عشق ہی ہوتا ہے کامیاب
یہ بات بھی کلیم کے وہم و گمان میں تھی

وہ ڈھونڈتے ہیں آج نشانِ مزار کو
حاصل یہ بات کب مجھے نام و نشاں میں تھی

جب میں قفس میں ڈھونڈھ رہا تھا بہار کو
اس وقت بھی بہار مرے آشیاں میں تھی

جب اپنے جذبِ دل پہ بھروسا تھا آپ کو
کیوں اے کلیم کس لئے لکنت زباں میں تھی

نظریں حریمِ ناز سے ٹکرا کے رہ گئیں
روشن جمالِ رُخ کی کشش درمیاں میں تھی

بجھا بجھا سا چراغِ سرِ مزار ہوں میں
خزاں نے جس کو سنوارا ہے وہ بہار ہوں میں

وہ جس پہ غیر بھی روتے ہیں آٹھ آٹھ آنسو
وہ ایک محفلِ ماضی کی یادگار ہوں میں

جو تیرے دامنِ رحمت کی آبرو رکھ لے
مرے کریم وہی اک گناہگار ہوں میں

نگاہ ہو تو ذرا دیکھ عالمِ تخریب
اجل کی گود میں قدرت کا شاہکار ہوں میں

ہنسا ہنسا کے رُلایا گیا ہوں ساری عمر
ستم ظریفیٔ فطرت کا شاہکار ہوں میں

نہ پوچھ آہ محبت کی زندگی روشن
خزاں کی شکل میں پروردۂ بہار ہوں میں

لطف آجائے اگر اس رخ سے افسانہ بنے
خاک میری آپ کی تسبیح کا دانہ بنے

میرے دل میں دیکھ کر تصویرِ صد نازِ ازل
بول اٹھا کعبہ یہاں بھی اک صنم خانہ بنے

مٹ کے بھی قائم ہے شمعِ حسن سے وابستگی
خاک سے میری اڑے ذرے تو پروانہ بنے

کیفِ مئے اپنی جگہ یہ اپنا اپنا ظرف ہے
کوئی دیوانہ بنے اور کوئی پیمانہ بنے

غوطہ زن ہو جام میں روشنؔ کی توبہ کا غرور
آج رِندو اس طرح ماحول میخانہ بنے

پرستش عشق کی اسوقت کس درجہ حسیں ہوتی
جہاں ہوتا ترا نقش قدم میری جبیں ہوتی

مرا وہ ایک لمحہ حاصل صد زندگی ہوتا
جو مری خونفشاں آنکھوں تری آستیں ہوتی

ترا ناکام الفت تھک کے اس منزل پہ بیٹھا ہے
جہاں سے آرزوئے کامیابی پھر نہیں ہوتی

چمن کا ذکر کیا میرا نشیمن جس جگہ ہوتا
بہر صورت مخالف آسماں ہوتا زمیں ہوتی

مرا ذوق جبیں سائی یہ روشن مجھے کہتا ہے
سجود آستانِ یار سے سیری نہیں ہوتی

جس جگہ جبریل کو بے بال و پر پاتا ہوں میں
اس جگہ سے اپنا آغازِ سفر پاتا ہوں میں

خود کو ایسے وقت میں بے بال و پر پاتا ہوں میں
وائے جب صیاد کو کچھ بے خبر پاتا ہوں میں

برگِ گل صحنِ چمن میں دیکھتا ہوں منتشر
ہر ورق کو اک حدیثِ معتبر پاتا ہوں میں

میری شامِ غم کا شاید اُسکو بھی احساس ہے
آج کچھ بدلا ہوا رنگِ سحر پاتا ہوں میں

دن کسی صورت سکوں سے کٹ تو جاتا ہے مگر
ایک بےچینی کا عالم رات بھر پاتا ہوں میں

جو طلسمِ زندگی کو توڑ کر پھر جوڑ دے
آپکی آنکھوں میں وہ سحرِ نظر پاتا ہوں میں

حسن کی آنکھوں میں آنسو عشق کا ہے معجزہ
"سینۂ شبنم میں طوفانِ شرر پاتا ہوں میں"

اے حبابِ بحر اے آئینۂ نقشِ فنا
زندگی کو تجھ بھی کچھ مختصر پاتا ہوں میں

ہو گیا آخر نظامِ حسن ہیں اک انقلاب
اُن پہ بھی روشنؔ دعاؤں کا اثر پاتا ہوں میں

خود نگاہِ یاس میری داستاں بن جائے گی
بے زبانی ان کی محفل میں زباں بن جائے گی

ساتھ انکے میرا بھی سجدہ کرے گی کائنات
خاک میری جبکہ انکا آستاں بن جائے گی

شمع کا آنسو بہانا اور پروانے کی موت
صبح تک یہ سب حقیقت داستاں بن جائے گی

ناز ہے ہاں ناز ہے تقدیر تجھ پر ناز ہے
آج بگڑی ہے یہاں تو کل وہاں بن جائے گی

ذوقِ تعمیرِ نشیمن فکرِ بربادی نہ کر
برق اک دن خود چراغِ آشیاں بن جائے گی

صیاد کے تیور کو بدلا ہوا پاتے ہیں
پھر گھر کی تباہی کے ساماں نظر آتے ہیں

ناصح تری باتوں کو کب دھیان میں لاتے ہیں
دیوانے تو دیوانے اپنی کہے جاتے ہیں

آثار امیدوں کے مٹتے نظر آتے ہیں
چھٹکے ہوئے تارے بھی اب ڈوبتے جاتے ہیں

بے ربط فسانے کو کیا کوئی نہیں سنتا
کیوں آپ مرے دل کو یوں توڑتے جاتے ہیں

دل توڑنے والے کیوں آئے ہیں تسلی کو
ٹوٹے ہوئے ساغر کو کیوں منہ سے لگاتے ہیں

اے کاش محبت کا ساحل نظر آجاتا
اُمید کی موجوں میں بہتے چلے جاتے ہیں

یہ داغ نہیں دل پر روشن ذرا دیکھو تو
کچھ نقش محبت کے اُبھرے نظر آتے ہیں

تارا جیسی گلشن میں سازش ہوئی نکہت کی

کانٹوں کو تو کیا کئے پھولوں نے بغاوت کی

تصویر اتر آئی دل پر تری صورت کی

آنکھوں نے قسم کھائی بیساختہ الفت کی

دنیا کو ہوا دھوکا مجھ پر تری صورت کا

ہاں تجھ سے محبت کی اور ایسی محبت کی

ہر موجِ تبسم کو اشکوں نے سلامی دی

یہ شان بھی دیکھی ہے ارباب مسرت کی

مری کشتیٔ محبت یوں ہی پا گئی کنارا
کسی موج نے ڈبویا کسی موج نے ابھارا

بہت آسرا لگا کر بڑے پیار سے پکارا
تمہیں سامنے نہ آئے تمہیں کر گئے کنارا

کوئی تلخیٔ محبت کو نہ کر سکا گوارا
یہ تو صرف میرا دل تھا کہ یہ بن گیا تمہارا

مرے پیار سے نہ کھیلو مرا زخم دل نہ چھیڑو
کہیں جل نہ جائے دامن میری آہ سے تمہارا

نہ ملال ہو کسی کو مری فتح مندیوں سے
میری چال ہی نئی تھی میں یہی سمجھ کے ہارا

نہ حرم سے کوئی رغبت نہ صنم کدہ سے نسبت
یہ ہے آدمی کی دنیا مجھے آدمی ہے پیارا

مرے کام آئی آخر مری ہمت آزمائی
جسے کہہ رہے تھے طوفاں وہی بن گیا کنارا

یہ ہے بے سکیوں کا بدلا کہ ہے اپنی کم نصیبی
وہی دشمن سکوں ہے جسے دیدیا سہارا

نئے نقش زندگی کے ابھر آئے پتھروں سے
تری چشم فتنہ گر نے کیا جب کبھی اشارہ

مجھے جنکی جستجو تھی وہ ہیں میری جستجو میں
نہ تو کوئی مجھ سے جیتا نہ تو میں کسی سے ہارا

جو نہ ہو یقین عبرت ذرا دیکھ لے زمانہ
کبھی ہمنوا تھا عالم نہیں اب کوئی ہمارا

وہی جائے عافیت ہے جہاں دل سکون پائے
وہ ہو موج یا تلاطم وہ بھنور ہو یا کنارا

یہ ترا شباب رنگین یہ ترا جمال روشن
ہے شفق کی آبجو میں کوئی تیرتا ستارا

دنیا کو ایک آئینہ دکھلا رہا ہوں میں
افسانۂ حیات کو سمجھا رہا ہوں میں

گو خوب جانتا ہوں نشیب و فراز کو
دھوکے قدم قدم پہ مگر کھا رہا ہوں میں

مر مر کے جی رہا ہوں محبت کی راہ میں
گتھی حیات و موت کی سلجھا رہا ہوں میں

پھر ہو رہا ہے شاہد فطرت کا سامنا
عکس جمال یار بنا جا رہا ہوں میں

دنیا میری نظر میں ہے اک خار آرزد
دامن مگر بچائے چلا جا رہا ہوں میں

آئی بہار رنگ چمن اور ہو گیا
لیکن نہ جانے کس لئے گھبرا رہا ہوں میں

او ناشناس درد تجھے کچھ خبر بھی ہے
تو مسکرا رہا ہے مٹا جا رہا ہوں میں

ہر ایک کی زباں پہ ہے میری ہی داستاں
اس درجہ کائنات پہ اب چھا رہا ہوں میں

اک دن وہ تھا کہ ہنستا تھا دنیا پہ بس کبھی
اک دن یہ آج ہے کہ ہنسا جا رہا ہوں میں

اس بیخودیٔ شوق کے قربان جائیے
اپنے کو کارواں سے الگ پا رہا ہوں میں

دورِ مجاز میں بھی حقیقت شناس ہوں
روشنؔ عروسِ دہر کو ٹھکرا رہا ہوں میں

جب سے نظر میں میری کوئی گلعذار ہے
فصلِ خزاں میں بھی مجھے لطفِ بہار ہے

دستِ جنوں سے دامنِ دل تار تار ہے
شاید چمن میں آمدِ فصلِ بہار ہے

آنکھوں میں اشک حال پریشاں لبوں پہ آہ
یہ حسن آج کس کے لئے سوگوار ہے؟

چھپتی نہیں ہنسی سے کبھی غم کی تلخیاں
چہرہ بتا رہا ہے کہ دل بیقرار ہے
جب تک تری نگاہ کرم تھی سکون تھا
اب میں ہوں اور میرا دل بیقرار ہے
روشن ہے کسی کے باغِ جوانی پہ ہے نکھار
دامن میں منہ چھپائے عروسِ بہار ہے

قریب دل کبھی نزدیکِ جان دیکھتا ہوں میں
بہر صورت تجھے تا حدِ امکاں دیکھتا ہوں میں
ترے جلوں کو اب اس درجہ عریاں دیکھتا ہوں میں
حقیقت میں نگاہوں کو بھی حیراں دیکھتا ہوں میں
قریب رخ جو زلفوں کو پریشاں دیکھتا ہوں میں
جبینِ کفر پر تنویر ایماں دیکھتا ہوں میں
ہوا کے مست جھونکوں میں تبسم خیز کلیوں میں
بہر صورت اُسے ہر شے میں پنہاں دیکھتا ہوں میں

ضیائے حسنِ خود بین سے ہے روشن دل کی تاریکی
شبِ تاریک میں بھی ماہِ تاباں دیکھتا ہوں میں

وہ لفظ موت جس پر ختم ہے افسانہ ہستی
وہیں سے زیست کا رنگین عنوان دیکھتا ہوں میں

زمانہ اپنی نظروں میں جنہیں کانٹا سمجھتا ہے
اُنہیں کانٹوں کو پھولوں کا نگہباں دیکھتا ہوں میں

حد دل سے لاکھ بڑھ جائے حد ذوق کی وسعت
مگر اس سے سوا پرواز انسان دیکھتا ہوں میں

گلستاں میں کبھی روشنؔ جو میں نے خواب دیکھا تھا
قفس میں اب وہی خواب پریشاں دیکھتا ہوں میں

میری گردِ رہ کہکشاں ہو رہی ہے
زمیں دیکھئے آسماں ہو رہی ہے

ذرا آئینہ سامنے رکھ کے دیکھیں
محبت نظر سے عیاں ہو رہی ہے

انہیں موت کی ہچکیاں مت سمجھے
بیر روداد ہستی بیاں ہو رہی ہے

انہیں پاس پردہ مجھے ضد کہ دیکھوں
عجب کشمکش درمیاں ہو رہی ہے

ہوا اب اثر ضبط غم کا یہ ظاہر
نظر حسن کی مہرباں ہو رہی ہے

ذرا سن بھی لو پھر نہ موقع ملے گا
کہ ختم اب مری داستاں ہو رہی ہے

کئی بار جس نے جلایا نشیمن
وہی برق اب پاسباں ہو رہی ہے

مصیبت کوئی آنے والی ہے شاید
طبیعت مری شادماں ہو رہی ہے

جہاں میر و داغ اور غالب تھے روشن
وہی دہلی اب بے زباں ہو رہی ہے
وہ روشن ستارے جڑے ہیں غزل میں
زمین سخن آسماں ہو رہی ہے

فیضانِ محبت کا اس درجہ اثر آیا
جس دل پہ نظر ڈالی اپنا ہی نظر آیا
کشتی کی بلا لینے موج اٹھی بھنور آیا
کس شان سے سودائی ساحل پہ اتر آیا
ہر ساز کے پردے میں آواز غمِ دل ہے
مضرابِ محبت کا اعجاز نظر آیا
انجامِ گلستاں پر شبنم کے بہے آنسو
مرجھایا ہوا چہرہ پھولوں کا نکھر آیا
پھر گردشِ دوراں کو آواز کوئی دینا
کل جس کو مٹایا تھا وہ نقش ابھر آیا
مضرابِ محبت کی ہر ضرب میں نغمہ ہے
تارِ اشکِ مسلسل کا اک ساز نظر آیا
ہر شے نے بتایا ہے راز اپنی حقیقت کا
محفل میں تری مجھ سا جب اہلِ نظر آیا

گھنگھور اندھیرے میں طوفان کی سرخی تھی
کچھ لوگ پکار اٹھے ہنگامِ سحر آیا
ہم غیر کہیں کس کو بیگانہ کہیں کس سے
جو چہرہ نظر آیا اپنا ہی نظر آیا
میخانہ میں ساقی نے خود آگ لگائی تھی
الزام مگر روشنؔ میخواروں کے سر آیا

موت کے پردے سے ظاہر زندگی ہونے لگی
رات کی تاریکیوں میں روشنی ہونے لگی
دوستی بڑھنے سے پیدا دشمنی ہونے لگی
روشنی جب حد سے گذری تیرگی ہونے لگی
میرے مٹنے میں بقا کا راز پنہاں دیکھ کر
موت کو بھی آرزوئے زندگی ہونے لگی
اس بھرے گلشن پہ شاید بجلیاں گرنے کو ہیں
شاخ میرے آشیاں کی پھر ہری ہونے لگی

پی کہاں، کہہ کر پپیہا چیخ اٹھا پچھلے پہر
دل کے ہر گوشے میں میرے ٹیس سی ہونے لگی

جس کو ٹھکرایا تھا تم نے کہہ کے دیوانہ کبھی
اس کے اب نقشِ قدم پر بندگی ہونے لگی

جو محبت کے نہ تھے قائل وہ دیکھیں یہ اثر
ان کو بھی محسوس اب میری کمی ہونے لگی

انکشافِ حسن جب ان کو ہوا مدِ نظر
پھر تو ہر ذرہ میں پیدا دلکشی ہونے لگی

اس قدر مانوسِ غم اب دل کی دنیا ہو گئی
جب نئی آفت کوئی آئی خوشی ہونے لگی

چومتا ہے اب تو وہ اپنا ہی خود نقشِ قدم
تیرے روشنؔ پر وہ طاری بیخودی ہونے لگی

منزل کا محبت میں کہیں نام نہیں ہے
آغاز ہی آغاز ہے انجام نہیں ہے

صیاد یہ کیوں کر کہوں، آرام نہیں ہے
جو کل تھی تڑپ آج تہہِ دام نہیں ہے

نظارے سے ہاں اور بھی دل ہوتا ہے بیچین
بے آپ کے دیکھے بھی تو آرام نہیں ہے

آرام سکوں میں ہے سکوں موت میں یعنی
جیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ آرام نہیں ہے

ہے شام تو اب صبح کا ہونا ہے قیامت
جب صبح ہوئی تو خبرِ شام نہیں ہے

یہ درد یہ سوزش یہ تڑپ اور یہ آہیں
کس مُنہ سے کہوں عشق میں آرام نہیں ہے

ہو دل میں محبت تو ہو احساس محبت
فطرت کا یہ انعام مگر عام نہیں ہے

زلفیں رخ پر نور پہ کہتی ہیں بکھر کے
اس شام کے بعد اور کوئی شام نہیں ہے
روشن یہ محبت کی ہے دنیا ہی نرالی
مٹ جانا یہاں کوئی بڑا کام نہیں ہے

وہ پلائی شراب آنکھوں سے
اڑ گئے غم کے خواب آنکھوں سے

دل تو محروم جلوہ ہی رہتا
ہوگیا فیض یاب آنکھوں سے

خود کو پہچان نے نگاہوں میں
اٹھ رہے ہیں حجاب آنکھوں سے

حسن پر یہ ترے شباب کی ضو
گر گیا آفتاب آنکھوں سے

ان کے عارض پہ اشک غم توبہ
ہیں شگفتہ گلاب آنکھوں سے

میری آنکھوں میں ڈال کر آنکھیں
دیکھا اپنا شباب آنکھوں سے

ایسا دلکش سوال کیا کہنا
آئے جس کا جواب آنکھوں سے

میرا دل سازِ بے صدا رہتا
تو نے چھیڑا رباب آنکھوں سے

وہ زمانہ کی ٹھوکروں میں رہے
ہو گئے ہیں جناب آنکھوں سے

مجھ سے آداب میکدہ سیکھو
پی رہا ہوں شراب آنکھوں سے

روئے رودشنؔ ہے شیشۂ اخلاص
پڑھئے دل کی کتاب آنکھوں سے

تھا حاصل اصول عبادت نہ پوچھئے
میرا وہ ایک اشک ندامت نہ پوچھئے

لرزاں ہے آفتاب کی صورت دل حزیں
حسن ازل کا بار امانت نہ پوچھئے

پی لی بقدر ظرف ہر ایک بادہ خوار نے
ساقی کی ایک چشم عنایت نہ پوچھئے

اڑتا ہوں میں بہار میں لیکر قفس کو ساتھ
مرے پر خیال کی طاقت نہ پوچھئے

لب پر ہنسی ہے آنکھ میں آنسو ہے دل اداس
خودداریوں کے ساتھ شکایت نہ پوچھئے

بے کیفیٔ طلوعِ سحر بر ہمیٔ دل ہے
وہ انتظارِ شام مصیبت نہ پوچھئے

روشن یہ کائنات نہیں اک طلسم ہے
رنگینیٔ مجاز و حقیقت نہ پوچھئے

چھیڑ کر ساز محبت جب کبھی گاتا ہوں میں
عشق کیا خود حسن کو بھی وجد میں لاتا ہوں میں

عشق میں گو ٹھوکروں پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں میں
جانب منزل بہر صورت بڑھا جاتا ہوں میں

اپنے دامن سے وہ آنسو پونچھنے آئے ہیں آج
اب تو مرنے ہی میں لطف زندگی پاتا ہوں میں

دل نے قسمت ایک تنکے کا سہارا بھی نہیں
جانب ساحل نظر ہے ڈوبتا جاتا ہوں میں

اس کو ربط باہمی کہتے ہیں اور حسن کشش
میں ہوں جس منزل میں انکو بھی وہیں پاتا ہوں میں

یوں تو تو نے بارہا مجھ کو پکارا اے اجل
جب صدا دیتا ہوں تجھ کو بے خبر پاتا ہوں میں

مجھ سے روشن ڈوبنے والے ابھرنا سیکھ لیں
تہہ نشیں کرتی ہیں جب موجیں ابھر آتا ہوں میں

پردہ میں آئینہ کے وہ آئینہ گر نہ ہو
شبنم کی آرسی میں عروسِ سحر نہ ہو

ظاہر کسی پہ حالتِ دل چشمِ تر نہ ہو
سب کچھ میں ان سے کہدوں کسی کو خبر نہ ہو

ڈرتا ہوں میری آہ کا الٹا اثر نہ ہو
غفلت شعار اور کہیں بے خبر نہ ہو

رنگینیٔ فسانۂ غم معتبر نہ ہو
جب آنسوؤں میں سرخیٔ خونِ جگر نہ ہو

ہو جس کے بعد شام کے آنے کا انتظار
میری سحر بھی ہو مگر ایسی سحر نہ ہو

کچھ چاہئے ضرور تسلی کے واسطے
یعنی ترا خیال رہے تو اگر نہ ہو

لرزاں قدم ہیں اور جھکا جا رہا ہے سر
اے دل سنبھل یہ اسکی کہیں رہگذر نہ ہو

کیوں توڑتے ہیں آپ میرے دل کو بار بار
اس میں جمال صورت آئینہ گر نہ ہو

پی تو رہا ہوں خون جگر آنسوؤں کیساتھ
پھر بھی یہ ڈر رہا ہوں کہیں چشم تر نہ ہو

پھر موسم بہار میں رنگینیاں نہ ہوں
روشن وہ شمع حسنِ حقیقت اگر نہ ہو

وقت آخر کام جذب نا تمام آیا تو کیا
ہچکیوں کی شکل میں ان کا پیام آیا تو کیا

رہ گئی رندوں میں جب ساغر اٹھانے کی نہ تاب
اب تغافل آشنا ساقی بہ جام آیا تو کیا

وقت ہی پر لے کے ابھرے گا پیام صبح نو
ڈوبتے سورج کو تاروں کا سلام آیا تو کیا

لطف تو جب ہے کہ جلوہ ہو بقدر ظرف دید
بن کے برق طور وہ بالائے بام آیا تو کیا

آفتابِ صبحِ عشرت کی ضیائیں اور ہیں
شام غم نے گر اگر ماہ تمام آیا تو کیا

میکدہ ویراں ہوا بیزار میکش ہو چکے
اب اگر ساقی بہ حسن انتظام آیا تو کیا

رہ گیا قائم زلیخائے محبت کا وقار
یوسف معصوم پہ گر اتہام آیا تو کیا

اڑ چکی جب نیند آنکھوں سے بفیضان جنوں
اب سحر آئی تو کیا ہنگام شام آیا تو کیا

بات تو جب تھی کہ رہتے ہوش میں اپنے کلیم
جلوہ کھو جانے پہ انداز کلام آیا تو کیا

غنچہ و گل کیا چمن سارا ترس کر رہ گیا
ابر باراں صرف دریاؤں کے کام آیا تو کیا

دست رعشہ دار جب تلوار چھو سکتے نہیں
اب اگر ایسے میں جوش انتقام آیا تو کیا

خود بخود سب ٹوٹ جائینگی قفس کی تیلیاں
ہمت پرواز! کوئی زیر دام آیا تو کیا
بجھ چکی جس وقت روشن اپنی شمع انتظار
زلف بکھرا کر کوئی بالائے بام آیا تو کیا

پھر شب غم یاد آئی صبح خنداں دیکھ کر
دل بھر آیا جانے کیوں چاک گریباں دیکھ کر
زخم دل یاد آگیا غنچوں کو خنداں دیکھ کر
بڑھ گیا احساس غم جشن بہاراں دیکھ کر
کم سے کم قائم تو رکھتے ارتباط حسن و عشق
اپنا دامن دیکھتے میرا گریباں دیکھ کر
بن کے آئے تھے تماشائی تماشا بن گئے
خود پریشاں ہو گئے مجھ کو پریشاں دیکھ کر
جس کا دل چاہے وہ خوش ہولے مسرت عام ہے
ورنہ غم بخشا گیا ہے ظرف انساں دیکھ کر

بڑھتا جاتا ہے اسیری سے کچھ آزادی کا ذوق
ولولے محکم ہیں استحکام زنداں دیکھ کر

کہہ دو ان خاموش موجوں سے ذرا کروٹ لیں
ہم کنارا چھوڑتے ہیں رنگ طوفاں دیکھ کر

رات گریاں، چاک داماں سحر، گل ہیں خموش
آدمی کے ہاتھ سے انجامِ انساں دیکھ کر

راہ کے کانٹوں نے پیاس اپنی بجھا لی خیر سے
پاؤں کے چھالوں کو میرے اشک افشاں دیکھکر

میں سفینہ تو نہیں جو ڈوب کر ابھرے نہ پھر
خود ابھرنا ہے مگر انجامِ طوفاں دیکھ کر

روحِ خوابیدہ نے لی انگڑائی نغمے جاگ اٹھے
کیف کے عالم میں روشن کو غزل خواں دیکھ کر

سکوں لینے نہیں دیتی سکوں میں بھی ستاتی ہے
میں جب خاموش ہو جاتا ہوں تیری یاد آتی ہے
کبھی جب ابر کے دامن میں بجلی کوند جاتی ہے
مجھے ایسے میں اپنے آشیاں کی یاد آتی ہے
سنور کر یاد انکی دل میں روشن ایسے آتی ہے
عروس صبح تاریکی میں جیسے مسکراتی ہے
جگر کو پھونکتی ہے خون کے آنسو رلاتی ہے
محبت آگ اور پانی کو اپنے ساتھ لاتی ہے
کوئی جب بیٹھتا ہے تھک کے منزل میں محبت کی
اجل خود گود میں لیکر تھپکتی ہے سلاتی ہے
کبھی جب حسن کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈباتے ہیں
تو اپنی کامیابی پر محبت مسکراتی ہے
کوئی عالم ہو لیکن حسن کی شوخی نہیں جاتی
زباں خاموش ہوتی ہے نظر جادو چلاتی ہے
فلک کا چاند آئینہ ہے روشن شب کے ہاتھوں میں
کسی کی صورت معصوم اس میں مسکراتی ہے

فضا پہ مستی سی چھا رہی ہے نسیم پھر گنگنا رہی ہے
چمن میں شاید وہ ہنس پڑے ہیں کلی کلی مسکرا رہی ہے

جہاں بلاؤں کا ہے تلاطم قدم وہیں پر جما رہی ہے
ہماری مشکل پسند فطرت حیات کو آزما رہی ہے

شباب کی مستیوں میں کہو کہ وہ چل رہے ہیں کچھ اس ادا سے
نسیم گویا چمن میں پیہم گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

شباب یوں ان پہ آرہا ہے سنور سنور کر نکھر نکھر کر
کہ رفتہ رفتہ سنبھل سنبھل کر بہار گلشن میں آرہی ہے

بہار اپنے شباب پر ہے مسک رہی قبائے غنچہ
بہک رہی ہے نگاہ نرگس چمن پہ مستی سی چھا رہی ہے

وہ زمزمے، رقص نور و نکہت، سحر کا منظر نگار فطرت
غموں کے چہرے پہ بھی مسرت بہار نغمے سنا رہی ہے

یہ حسن گلگوں یہ چشم میگوں شباب رنگیں کا ہے یہ افسوں
نگاہ جس پر بھی پڑ رہی ہے اُسے شرابی بنا رہی ہے

وہ جن پہ تھا ناز دوستی کو گذر رہے ہیں بچا کے دامن
ہماری قسمت یہ آج ہم کو عجیب منظر دکھا رہی ہے

ہزار دل حسرت بھری نگاہیں جلو میں پروانہ وار روشن
نقاب اُلٹے وہ آ رہے ہیں کہ شمع محفل میں آ رہی ہے

ہم سناتے رہے فسانہ کو
آپ دیکھا کئے زمانہ کو

جرأت برق آزمانے کو
پھر چلے آشیاں بنانے کو

بڑھ گئی اور شمع دل کی ضیا
آندھیاں آئیں تھیں بجھانے کو

ڈھالتا ہوں غزل کے سانچے میں
درد دل کے ہر اک فسانے کو

شکل گل پھر گئی نگاہوں میں
لب کھلے ہی تھے مسکرانے کو

ہے زمانہ بہار کا لیکن
گل ترستے ہیں مسکرانے کو

دیکھیں ہے جرأت جفا کتنی
آنکھ اٹھاؤ نظر ملانے کو

کیسے بھولوں کہ آپ آئے تھے
دوست بنکر مجھے مٹانے کو

جب کبھی زندگی سے روٹھا ہوں
زندگی آئی ہے منانے کو

تیری آنکھوں کے یہ چھلکتے جام
کب میسر شراب خانے کو

نعمتِ درد بھی نہ چھن جائے
مسکراتا ہوں غم چھپانے کو

اک گذارش قبول فرمالیں
کردیں روشن عزیب خانہ کو

پئے تسکینِ غم یوں موت کا پیغام آتا ہے
سکوں کو ساتھ لیکر جیسے وقتِ شام آتا ہے

نہ پوچھو حشر کیا ہوتا ہے برپا دل کی دنیا میں
کبھی جب ترکِ الفت کا خیالِ خام آتا ہے

کہیں رسوا نہ کر دے مجھکو یہ طرزِ عمل میرا
ہجومِ بیخودی میں لب پہ کس کا نام آتا ہے

مجھے ڈر ہے کہیں توبہ کے اب ٹکڑے نہ ہو جائیں
کہ دستِ نازِ ساقی میں چھلکتا جام آتا ہے

مٹا دے اپنی ہستی اور مجسم حسن خود بن جا
یہی گوشِ خرد میں نغمۂ الہام آتا ہے

وہ ٹوٹا ہو کہ خالی ہو کرم سے میرے ساقی کے
بہر صورت مرے حصہ کا مجھ تک جام آتا ہے

نمایاں ہو گئی آخر کشش حسنِ مجسم کی
رگیں کھنچتی ہیں روشن نزع کا ہنگام آتا ہے

گردشوں نے ہمیں خراج دیئے   حوصلے اور بانکپن سے جئے

زندگی نے بڑے مذاق کئے   جب ہنسے آنسوؤں کے جام پئے

سر تری راہ میں جنہوں نے دیئے   بجھ کے روشن رہے وہی تو دیئے

چاکِ داماں نہیں یہ چاکِ دل   جسکو توفیق دے خدا وہ سئے

میکدہ کا نظام ارے توبہ   مئے پئے کوئی اپنا خون پئے

کوئی زندہ ہے صرف مرنے کو   کوئی مرتا ہے زندگی کیلئے

جیبِ داماں آگہی تھے چاک   شکریہ اے جنوں کہ تو نے سئے

اپنی خاطر تو جی چکے آ دوست   اب تو زندہ ہیں دوسروں کیلئے

زندگی ہے گواہ کہ ہم نے   موت سے کام زندگی کے لئے

شعر ایسے کڑی کمان کے تیر   دل میں اتریں تو کیفِ زیست لیئے

بن گئے غازہ رخِ ہستی   مرنے والے کچھ ادا سے جئے

زندگی کیا ہے جذبۂ ایثار

ہو کے روشن یہ کہہ رہے ہیں دیئے

جب شمعِ ہستی تو پروانے معصوم نثار کر بیٹھے
نازک سا جگر اور یہ جرأت شعلے سے محبت کر بیٹھے

اللہ رے جنون خود غرضی آزاد ہوئے جب اہلِ قفس
تعمیر نشیمن پر قرباں گلشن کی لطافت کر بیٹھے

دیکھا جو انھیں کچھ کہہ نہ سکے کیا جانئے کیا دل میں آیا
اشکوں کے سہارے چپکے سے اظہارِ محبت کر بیٹھے

رونا تو لکھا تھا قسمت میں ہاں ان سے ملے جب آئی ہنسی
کمبخت یہ آنسو بھی نہ تھمے تو ہیں مسرت کر بیٹھے

گذرے گی جو دل پہ جھیلینگے ہنس ہنس کے اجل سے کھیلینگے
جو حشر بھی ہوگا دیکھیں گے اب ہم تو محبت کر بیٹھے

جینے کا سلیقہ تھا جنکو وہ موت کے ہاتھوں مٹ نہ سکے
تدبیر پہ جنکا بس نہ چلا قسمت کی شکایت کر بیٹھے

پھولوں کی جو رگ رگ میں ہے رواں وہ خون ہے قلبِ بلبل بھی
گل پہ ہوا اگر یہ راز عیاں کانٹے سے محبت کر بیٹھے

تاروں کی طرح روشن ہی رہے وہ سبزہ و گل کے دامن پر
جو قطرۂ شبنم سورج کی کرنوں سے بغاوت کر بیٹھے

رُباعیات و قطعات

"رُباعیات"

رکھتے ہیں جو ہم سے کچھ کدُورت اے دوست
اس دل میں ہے ان کی بھی محبت اے دوست
کچھ کھیل نہیں نفس پہ قابو رکھنا
ہم کرتے ہیں ایسی ہی عبادت اے دوست

مضمون رباعی میں نئے ڈھلتے ہیں
احساس کے کتنے ہی دیئے جلتے ہیں
اعجاز یہ روشنؔ مرے الفاظ میں ہے
سکّوں کی طرح بولتے ہیں چلتے ہیں

رفتار میں چلتی ہوئی تیغوں کی لچک
ٹکراتے ہوئے جام کی لہجہ میں ھنک
کیا چیز ہے بھرپور جوانی کی نظر
اٹھتی ہے کہ گرتی ہوئی بجلی کی چمک

٭ رباعیات ٭

غازہ کی پھبن ہے تیرے رخساروں پر
یا موجِ شفق پھیلی ہے گلزاروں پر
ہیں حسنِ جوانی پہ حیا کے پردے
آنچ کی لپٹ جیسے ہو انگاروں پر

کندن سا دمکتا ہوا جسمِ رنگیں
سانچے میں تناسب کے ڈھلے عضوِ حسیں
جو دیکھے جوانی اسے بوسے لیلے
پیکر ہے کہ رعنائیٔ فردوس بریں

کھل جاتے ہیں گل یہ خوش بیانی تیری
گنگا کی سبک موج روانی تیری
ہر ایک ادا صبحِ بنارس کا نکھار
"چڑھتا ہوا سورج ہے جوانی تیری"

"رباعیات"

سمٹی ہوئی ملبوس میں رُوئی جیسے
دلہن ہے کہ بخیوں میں ہو سوئی جیسے
احساسِ حیا میں یہ نزاکت توبہ
بس ایک نظر میں چھوئی موئی جیسے

ہونٹوں نے تبسم کی ادا دکھلائی
آنکھوں نے مئے ہوش رُبا چھلکائی
مرے دلِ مغموم پہ اتنے احساں
زحمت بخدا آپ نے یہ فرمائی

گلشن کی فضا میں یہ شگوفوں کا اُبھار
مئے بار گھٹا قوسِ قزح کا یہ نکھار
ہر منظرِ دلکش میں ہے پنہاں گویا
اے دوست تری ایک جوانی کی بہار

٭ رباعیات ٭

جو حق ہے ترا اس سے سوا دیتا ہے
رازق ہے وہ بندوں کو سدا دیتا ہے
انسان کو بھوکا رکھے انساں لیکن
پتھر کے بھی کیڑے کو خدا دیتا ہے

مدت ہوئی بچھڑے ہوئے تجھ سے اے دوست
قربت تیری محسوس ہوا کرتی ہے
یاد آتی ہے رنگین بیانی تیری
شہنائی سی کانوں میں بجا کرتی ہے

غم نے ترے بخشا ہے عجب سوز و گداز
پایا ہے یہی ایک محبت کا صلا
کونین کے ہر ذرہ سے ہمدردی ہے
سنتا ہوں ہر اک دل کے دھڑکنے کی صدا

غم اور غم ہجر کے ذریں لمحات دولت یہ مقدر سے ملا کرتی ہے
ہر سانس محبت میں عبادت ہے مری خوش ہوں گا بھی عمر وفا کرتی ہے

عید

فسانے حسن و محبت کے کچھ بیاں ہوتے
نیاز و ناز کے جھگڑے بھی درمیاں ہوتے
یہ روزِ عید یہ موسم یہ کیف کا عالم
بڑا مزہ تھا جو ایسے میں تم یہاں ہوتے

بہارِ عید کیا آئی نوید زندگی لائی
کھلیں کلیاں دلوں کی اور گھٹا رحمت کی لہرائی
کوئی ایسے میں بیچینی مرے دل کی ذرا دیکھے
ہجومِ آرزو ہے تم سے دوری اور تنہائی

تم جو ہنستے تو چاندنی ہوتی ؛
کتنی پُر کیف زندگی ہوتی ؛
خاک لطفِ بہارِ عید آئے ؛
تم جو ہوتے تو عید بھی ہوتی ؛

ماہِ نو لیکر پیامِ عید پھر آ ہی گیا
ہجر کے مارے کو لطفِ دید پھر آ ہی گیا
پھر کلیدِ میکدہ کھوئی ہوئی ہاتھ آ گئی
تشنہ لب تک ساغرِ خورشید پھر آ ہی گیا

"تعارف"

علم و ہنر کے شہر کی گنگا ہے آر سی
ہستی ہے میری کوچے میں جس کے غبار سی

بے نام و بے ہنر کا تعارف نہ پوچھئے
کہتے ہیں خاکسار کو روشنؔ بنارسی

(۲)
ہوں نور پارہ کعبہ اہل ہنود کا

بھارت کی راجدھانی نے دل میں بٹھا لیا
روشنؔ کو دیکھے دامنِ مسجد میں عافیت

اللہ میاں نے اپنا پڑوسی بنا لیا

نوٹ:۔ (۲) قطعہ کے لئے اپنے وطن بنارس میں کینٹ اسٹرن ریلوے کے دفتر سی سی ایس آفس منٹ ہاؤس میں ملازم تھا۔ ۱۹۵۶ء میں وزارت ریلویز ریلوے بورڈ نے اپنے دفتر نئی دہلی میں مجھے ویلفیر انسپکٹر کی حیثیت سے ترقی پر رکھ لیا۔ اسی وقت سے شیعہ جامع مسجد ۲۷۲۵، ہملٹن روڈ کشمیری گیٹ دہلی ۶ کے ملحقہ مکان میں آباد ہوا۔ ستمبر ۱۹۷۸ء کو اسٹنٹ ویلفیر آفیسر کی حیثیت سے رٹائیر ہونے کے بعد بھی وہیں مقیم ہوں

"قطعات"

دفتر جسے کہتے ہیں عبادت کی جگہ ہے
اپنی ہی نہیں دیش کی خدمت کی جگہ ہے
کچھ قاعدے قانون اصولوں کے سہارے
انسان کی انساں سے محبت کی جگہ ہے

پردۂ گل میں ہے نکہت، رازِ الفت دل میں ہے
جسکو جس منزل میں رہنا ہے وہ اس منزل میں ہے
خدمتِ خاموش کو سمجھیں گے بس اہلِ نظر
شمع کے مانند روشنؔ آپ کی محفل میں ہے

لالچی اور خود غرض یہ اوج پا سکتا نہیں
زندگی کی منزلِ اصلی پہ آ سکتا نہیں
دفتروں سے ہو رٹائر یا کہ اس دنیا سے جائے
آدمی جاتا ہے روشنؔ نام جا سکتا نہیں

"قطعات"

آغوش سے پھولوں کی مہک نکلی ہے
گنگا کے کنارے پہ دھنک نکلی ہے
بھیگی ہوئی ساری میں جوانی کی پھبن
ملہار سے دیپک کی چمک نکلی ہے

برسات میں حسین شراروں کا رقص دیکھ
پھولوں کے ارد گرد بہاروں کا رقص دیکھ
دلکش نظر فریب چھلاوا سی تتلیاں
خاموش زندگی کے نظاروں کا رقص دیکھ

مظروف ہو تم ظرف میں ڈھلنا سیکھو
پانی کی طرح رنگ بدلنا سیکھو
بس شمع کے مانند رہو اے روشن
ہر رنگ کے فانوس میں جلنا سیکھو

اک حلقۂ زنجیر ہی زنجیر بھی ہے
اک دائرہ تصویر کا تصویر بھی ہے
قوموں کے مقدر کو پرکھنے والو
اک فرد ہی تو قوم کی تقدیر بھی ہے

انداز مشیت کو بدلتے دیکھا
بے نور چراغوں کو بھی جلتے دیکھا
روشنؔ کے مقدر کو جو کر دے روشنؔ
ایسا کوئی سورج نہ نکلتے دیکھا

قطعات

نہ ہوتی آرزو دل میں نہ کوئی مدعا ہوتا
خدا جانے جہانِ رنگ و بو کا حشر کیا ہوتا
حیات نو بنی ہر چوٹ مضراب محبت کی
دگرنہ دہر کا ہر سازِ ہستی بے صدا ہوتا

جو تم کہو تو بیاں ایک داستاں کردوں
گذر رہی ہے جو دل پر اسے عیاں کردوں
ہر ایک لفظ میں بھر دوں وہ آنسوؤں کی جلن
تمہاری آنکھوں سے طوفانِ غم رواں کردوں

حادثۂ آزادیٔ ہند

آ کے منزل تلک قافلہ بٹ گیا
راہبر لڑ گئے راستہ بٹ گیا
آدمی آدمی سے جدا ہو گئے
انتہا یہ ہوئی کہ خدا بٹ گیا

زندہ رہنے میں بھی اذیت ہے جان دینے میں بھی مصیبت ہے
کیا کرے تیرا بندہ مجبور یہ بھی زحمت ہے وہ بھی زحمت ہے

میرے مالک تری عبادت بھی سرکشی کی طرح مصیبت ہے
ہر قدم سود اور زیاں کی قید زندگی کیا ہے اک تجارت ہے

جو کا غذوں ہی میں رہ جائیں وہ اصول نہیں
چمن کو فیض نہ ہو جن سے وہ تو پھول نہیں
وہ انجمن کا کوئی صدر ہو کہ فخر وطن
بغیر حسن عمل قابل قبول نہیں

محبت سے جو غیروں کے دلوں کو رام کرتے ہیں
وہ انساں ہیں وہی دنیا میں روشن نام کرتے ہیں
برائی کر کے تھک جائے زمانہ وہ نہیں تھکتے
بھلائی جنکو کرنا ہے وہ اپنا کام کرتے ہیں

ہر طرح ہر رنگ ہر خوشبو کے پھولوں سے بناؤ
ایک گلدستہ مگر کچھ اس سلیقے سے سجاؤ
رشتۂ حسن وفا میں گوندھ کر ہر پھول کو
بزم ہستی کی اسی سے مستقل زینت بڑھاؤ





اپنا اپنا رنگ اپنی اپنی خوشبو لیکے آؤ
آدمی ہو، آدمیت سے بھری خو لیکے آؤ
اتحاد و صُلح کے پاک آشرم میں دوستو
صاف ہیرے کی طرح سے دل کے پہلو لیکے آؤ

"آرسی مصحف"

حیا کی آنکھ کھلی آج اپنی منزل میں
نکل کے شیشہ سے آئی نظر کی محمل میں
ہے نور بار عروسی فضا کا پس منظر
بہت سنبھال کے تصویر کھینچ لے دل میں

مہاتما گاندھی کی شہادت پر

یہ تیرے خون کی تاثیر رنگ لائی ہے
کہ قوم ہند کی اک راستہ پر آئی ہے
وہ جس نے باپو تری زندگی میں قدر نہ کی
اسی نے آج تری مورتی سجائی ہے

سروجنی نائیڈو کے غم میں

خیمہ ہو پھر آگیا دورِ خزاں میں گلستاں
دیکھنا پھر اٹھ رہا ہے آشیانے سے دھواں
پھول تو پھر پھول ہیں، کانٹوں میں ماتم ہے بپا
ہو گئی خاموش شاید بلبلِ ہندوستاں

مادرِ ہندوستاں کی جس نے چوسی تھی زباں
جس کے نغمے تھے بہارِ زندگی کی داستاں
آہ اے روشن کسے معلوم تھا دستِ اجل
چھین لے جائے گا ہم سے بلبلِ ہندوستاں

اندرا گاندھی وزیر اعظم ہندوستان

روپ میں عورت کے قدرت کا انوکھا راز ہے
شاخِ گل میں برق کا تلوار کا انداز ہے
اندرا گاندھی نئی تاریخِ بھارت کا ہے نام
آج میدانِ سیاست میں یہی ممتاز ہے

زندہ جادو ہے یہ ایمرجنسی

ایک تہذیب اک سلیقہ ہے
مدتوں بعد دن یہ آیا ہے

کوئی ہنگامہ ہے نہ بےچینی
امن کا آج بول بالا ہے

"نیا ارادہ نیا حوصلہ نئی ہمت"

زمیں پہ عرش نشینوں کو لا کے دم لیں گے
ہر ایک ذرہ کو سورج بنا کے دم لیں گے

اٹھا دیئے ہیں نئی منزلوں کی سمت قدم
اب اپنے ہند کی جنت سجا کے دم لینگے

عزم تعمیر نو

زلف شام اودھ سنواریں گے
صبح کاشی تجھے نکھاریں گے

چاند سورج کی شوخ کرنوں سے
نقش حسن وطن ابھارینگے

قطعات

عہدِ پیری میں بھی اندازِ جوانی نہ گیا
لفظ بدلا ہے مگر حسنِ معانی نہ گیا

آب و تاب اور بڑھی فکر و نظر کی روشن
زنگ کھائی ہوئی تلوار کا پانی نہ گیا

پھولوں کو اس چمن کا یہ جشن ہو مبارک
آزادیٔ وطن کا یہ جشن ہو مبارک

ہر ذرۂ زمیں سے آواز آ رہی ہے
بھارت کے بانکپن کا یہ جشن ہو مبارک

راحتوں میں ہو سحر اور مسرت میں تمام
زندگی عیش میں گزرے نہ ملے کیوں آرام

کس کو طوفان کا خطرہ ہو تلاطم کا خیال
ناخدا جبکہ سفینہ کا ہو جگ جیون رام

"نگار فطرت"

۲۵/دسمبر ۱۹۵۵ء جناب مرزا عباس بیگ صاحب محشرؔ بنارسی کے انتقال پر "بہار، قوس و قزح" عنوانات نظم اور "نگار فطرت"، مجموعہ کلام محشرؔ کا نام

بہار و قوس قزح میں کمی ہے رنگت کی
ہے سوگوار فضا نکہت و لطافت کی
رخ سحر بھی ہے پھیکا کہ اٹھ گیا محشرؔ
بکھر کے رہ گئیں زلفیں "نگار فطرت" کی

(ہولی)

قطعات

لو صبح وطن پھر دامن میں ہولی کی بہاریں لائی ہے
آکاش کے نیلے ساگر میں اوشا کی پھبن لہرائی ہے
پچکاریاں لیکر دوڑ پڑیں سورج کی سنہری کرنیں بھی
رنگینیاں بکھری ہیں ہر سو دھرتی پہ جوانی چھائی ہے

ہولی

بجتی ہے سہانی شہنائی آتی ہے سُروں کو انگڑائی
سنگیت کی موجیں جاگ اُٹھیں دل جھوم گئے مستی چھائی
دل دل سے ملے ہولی آئی کل ہنسنے لگے بھونرے ناچے
آنکھ اپنی محبت نے کھولی امرت کی پیالی چھلکائی

ہولی

کیا گیان کی دنیا کہتی ہے کیا جینا ہے کیا مرنا ہے
اے کاش سمجھ لیں ہم اسکو کیا کرتے ہیں کیا کرنا ہے
ہولی کی اُمنڈتی آنکھوں پر مل جل کے آؤ عہد کریں
پرہلاد کی سچائی کی قسم سچائی سے جگ کو بھرنا ہے

گنگنا — کر — پی

پی رہا ہے تو مسکرا کر پی
پینے والے نہ منہ بنا کر پی
وہ شہادت کا جام ہو کہ شراب
ساز ہستی پہ گنگنا کر پی

نئی دہلی میں نئے ریلوے اسٹیشن نئی دہلی کا افتتاح
عزت مآب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب صدر جمہوریہ ہند (اول) نے مورخہ ۲۶؍اپریل ۱۹۵۶ء کو فرمایا۔ اس موقع کے لئے یہ قطعہ پڑھکر اپنی نظم " کاروان وطن" پڑھی:

نئی دہلی کا اسٹیشن بنا اب قابل دہلی
لئے شاہانہ عظمت پھر سجی ہے محفل دہلی
شری راجندر اپنے ہاتھ سے در کھولنے آئے
ہے اپنی اوج پر روشن وقار منزل دہلی

شاعر

ڈوبتے کو ابھار دیتے ہیں ، جرأت پائیدار دیتے ہیں
زلف جاناں سے کھیلنے والے زلف ہستی سنوار دیتے ہیں

"بینائی سے"

اس چشم سے فیضان مسیحائی لے
بے نور ہیں آنکھیں تری بینائی سے
ہے شوخ نگاہوں میں وہ جادو توبہ
جس سمت اٹھے زندگی انگڑائی لے

طبیعت کو قرار

کب فریب رنگ و بو سے تھا طبیعت کو قرار
دل کو دیوانہ کئے رہتی تھی غیروں کی بہار
پیچھے پیچھے تتلیوں کے دوڑتا تھا میں کبھی
اب میں وہ گل ہوں کہ جس پر تتلیاں خود ہوں نثار

نہیں چھپتی

گلوں میں رہ نہیں سکتی ہے نکہت ؛
چھلک جاتی ہے یوں جیسے کہ غربت
چھپائے کتنے ہی پردوں میں کوئی
نہیں چھپتی جوانی اور دولت

رخصت

دلوں کی امنگیں لبوں کا تبسم
چھلکتے یہ ساغر لئے ہوئے خم
نہ جاؤ کہ شکوہ کریگی مسرت
محبت کی دنیا کہاں لے چلے تم

گرو نانک دیو جی

پانچ دریاؤں کے دامن میں گہر پیدا ہوا
آدمیت کے لئے اک راہبر پیدا ہوا
جس نے روشن کر دیئے امن و محبت کے چراغ
آج وہ نانک کی صورت میں بشر پیدا ہوا

وہ کالی گھٹا جھومتی آ رہی ہے
جوانی بہاروں کی لہرا رہی ہے
زمیں کے بدن سے اٹھی سوندھی خوشبو
ہوائے خنک دل کو سنکا رہی ہے

کالی کالی بدلیاں ٹھنڈی ہوا ہلکی پھوار
آؤ مِل جُل کر منائیں ہم بھی ساون کی بہار
پیار سے مل بیٹھنے کا پھر یہ دن آئے نہ آئے
زندگی میں یوں تو ساون آئیگا کتنی ہی بار

معجزات

انساں سے کیمیا کے ہنر بولنے لگے
سائنس کے اشارہ پہ پر تولنے لگے
راکٹ کی دوڑ، ریڈیو، ٹی وی کے معجزات
تسخیر کائنات کے در کھولنے لگے

چاند پر

سنتے تھے کہ قبضہ میں دو عالم ہے بشر کے
سچائیاں اب سامنے آتی ہیں نظر کے

سائنس کی اللہ رے بڑھتی ہوئی قوت
انسان نے قدم رکھ دیئے سینہ پہ قمر کے

نوٹ :۔
۲۱ جولائی سنہ ۱۹۶۹ء بروز سوموار امریکہ کے اپولو گیارہ کے ذریعہ مسٹر نیل اے آرم سٹرونگ اور مسٹر اڈون ای الڈر جونیر چاند گاڑی سے چاند کی سطح پر فاتحانہ انداز سے اترے۔
انسانی تاریخ میں پہلا بینا عظیم کارنامہ ہے۔ روشن

"عظمتِ فنکار"

سنو یہ راز کہ گویا زبانِ چشم آذر ہے
صنم کار دپ سینے میں چھپائے اپنے پتھر ہے
خدا دیتا ہے فنکارانہ تخلیقی صلاحیت
کوئی انسان گر مشہور ہے کوئی صنم گر ہے

عشق

قلب کو شورشِ نہاں دیدی — حسنِ خاموش کو زباں دیدی
جراتِ عشق تیرا کیا کہنا — کعبۂ کفر میں اذاں دیدی

اللہ کا لشکر

ایثار، خلوص و جرات جب ڈھل جاتے ہیں ظرف طاعت میں
لاکھوں کے مقابل اک بندہ اللہ کا لشکر ہوتا ہے
کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتا ہے خدا بھی اس کی مدد
انسان کے ہاتھوں میں روشنؔ خود اپنا مقدر ہوتا ہے

مقصد حسینؑ

انسانیت ہے روشن ایماں کی روشنی سے
قائم وقار ہستی خوددار آدمی سے

خون حسینؑ پیہم آواز دے رہا ہے
عزت کی موت بہتر ذلت کی زندگی سے

عیب جو

اے عیب جو نگاہ خرد کو ذرا سنبھال
یہ بھی تو دیکھ کس میں ہے کیا حسن کیا کمال

ہاں دوسروں کی آنکھ کا تنکا نکالیو
پہلے خود اپنی آنکھ سے شہتیر تو نکال

تقلید کس کی

کوئی عالم مقلد روس و امریکہ ویورپ کا
پھر اس پر دعویٰ یہ کہ نائب مہدی دادر ہے

کیسے سچا سمجھے کس کو جھوٹا اور کسے ظالم
کریں تقلید کس کی عالموں میں خود ہی ٹکر ہے

کائنات روشن

نظمیں

رومانی۔
سیاسی
نیچرل
جذباتی
شعلہ فشاں
شخصیتی
انسانیت نواز
وطنیت
رگِ حیات

پیش لفظ

جناب روشن بنارسی سے میں ایک مدت سے واقف ہوں وہ اچھے انسان بھی ہیں اور اچھے شاعر بھی۔ انہوں نے ایک پُر درد دل پایا ہے جو شاعری کے لئے شرط اوّل ہے ان سے ایسے لوگوں نے بھی اصلاح لی ہے جو دنیوی مراتب کے اعتبار سے ان سے آگے ہیں

نظم "بنگال کی بھوک" جس واقع یا حادثہ کے متعلق یہ نظم ہے وہ اب سے ۳۵ سال پہلے کا ہے میں تو اس زمانہ میں جیل میں تھا لیکن جیل میں بھی ہم لوگوں نے کچھ دنوں ایک وقت کھانا کھا کر باقی رقم قحط زدہ لوگوں کی امداد کے لئے بھیجی تھی۔

مختلف اندازوں کے مطابق ۳۵ لاکھ سے ۴۵ لاکھ تک انسان اس قحط میں مرے اسٹیٹسمین اگرچہ انگریزوں کا روزنامہ تھا۔ لیکن اس نے بھی ایمانداری سے کام لے کر ایسے ایسے فوٹو دیئے جنھیں دیکھ کر دل لرزتا تھا۔ ماں سڑک پر مری پڑی ہے اور اس کا زندہ بچہ اس کا دودھ پینا چاہتا ہے۔ کلکتہ کی سڑکیں لاشوں سے اٹی پڑی تھیں۔ راہ چلنا مشکل تھا۔ روشن صاحب نے بڑی پُرسوز منظر کشی کی ہے جذبہ حب الوطن کا اظہار اس شدت سے ہوا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاعر کے دل کی تڑپ اشعار کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور

دل را بہ دل رہیست دریں گنبد سپہر

ہر صاحب دل پر اس نظم کا اثر ہوگا دوسری نظم بھی اس بارے میں ہے۔ ان واقعات کے بعد ملک آزاد ہوا اگرچہ بدقسمتی سے

تقسیم بھی ہو گیا۔ بہر حال

باآں چہ دادی بہ ساز

کے مصداق ہندوستان میں ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب کی صدارت میں آزاد ہندوستان کی حکومت قائم ہوئی۔ روشن صاحب کے حساس دل کے جذبات اس بارے میں زینت قرطاس ہوئے ہیں۔ لیکن آزادی کے بعد کی فضا گاندھی جی کی شہادت سے درست ہو گئی۔ گاندھی جی کی شہادت پر روشن صاحب نے پُراثر نظم لکھی ہے اس کے مقطع میں تخلص کس فنکارانہ خوبی کے ساتھ آیا ہے فرماتے ہیں ؎

بجھ گیا روشن چراغ عظمت ہندوستان
آہ گاندھی باغبان گلستاں مارا گیا

اسی طرح اس موضوع پر دوسری نظم میں بھی ؎

جہاں میں شمع عمل کی ہے اب بھی لو باقی
چراغ بجھ گیا روشن مگر ہے ضو باقی

بنارس چھوٹنے پر روشن صاحب کے حساس دل کو رنج ہونا قدرتی بات تھی جب شیخ علی حزیں جو ایران سے آئے تھے بنارس آکر کہنے لگے ؎

از بنارس نہ روم معبدِ عام است اینجا
ہر برہمن پسر لچھمن و رام است اینجا

تو روشن صاحب کا تو یہ وطن تھا کاشی نگری، انھیں دکھ ہوا اسی کے اظہار کے لئے انھوں نے بنارس کو الوداعی سلام کہی۔ بریگیڈیر عثمان کا روشن صاحب نے جو ذکر کیا ہے وہ عین مناسب ہے کیونکہ اکثر ہم اپنے جانباز محسنوں کو بھی

بھول جاتے ہیں۔

'کوا آنیکے دم لیں گے' ایک جذباتی نظم ہے (کچھ قطعات لیڈروں کے ماتم پر نظم کئے ہیں) 'بسنت' کے متعلق پر کیف نظم میں نے اس لئے دوبارہ پڑھی کہ جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو بسنت کا ہی موسم ہے جسے ہندی میں رِتو راج، یعنی موسموں کا بادشاہ کہا جاتا ہے 'گہوارۂ انقلاب دہلی پر جو جو نظم ہے اس میں امیروں اور غریبوں کی زندگی کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ عبرتناک تاریخی تصویر ہے۔

'کاروانِ وطن' میں ریونے کاذکر ہے۔ یہ نظم خارجی نوعیت کی ہے لیکن چونکہ خود روشن صاحب کا تعلق اس محکمہ سے ہے اس لئے اس نظم میں علامہ کیفی دہلوی کے الفاظ میں خارجی داخلیت پیدا ہوگئی ہے۔ روشن صاحب کی ایک تحریر سے میرے علم میں اضافہ ہوا۔ اکبر اعظم کی والدہ کا نام حمیدہ تھا۔

کرشن جینتی کی نظم یوں شروع ہوتی ہے۔

گھر گئی تھی زندگی دنیا کے ہاہا کار میں
بڑھ رہے تھے راکشس بھگوان کے سنسار میں

کتنی گنگا جمنی زبان ہے۔

'نبض گیتی' ریلوے کے متعلق ہے اسکی ابتداء طربیہ ہے۔ کشش تشبیہات، واستعارات اور محاکات سے پُر ہے (مشتے نمونہ) زبان اور اشعار کے حسن کا انوکھا رنگ ہے ریل کے متعلق پورا اظہار حسین ہے آخری شعر حسن طلب کے لئے قابلِ داد ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کرمچاری کے لئے جتنی سہولت ہوگی
ریل سے اتنی ہی جنتا کو بھی راحت ہوگی

'نئی امانت' کا انداز مجھے بہت پسند ہے امید کہ اور بھی قارئین پسند فرمائیں گے۔

ہولی نظم میں کئی اعتبار سے یہ پہلو قابل داد ہے کہ نظم غزل کے سانچے میں ڈھلی ہے۔ ہولی پر اور بھی کئی نظمیں ہیں۔ نظم کنور سنگھ بہار کے ایک جانباز رہنما کو خراج عقیدت ہے۔ جوانوں کے لئے حوصلہ افزائی ہے آزاد ہندستان کے پہلے وزیر اعظم ملک کے محبوب رہنما پنڈت جواہر لال نہرو کے متعلق نظم ہے جواہر و گلاب میں نمایاں شعریت ہے۔ شمع و شمشیر اس سے بھی زیادہ پراثر نظم ہے 'للکار' واقعی للکار ہے جو میرے ایسے مرد پیر کے دل میں بھی ایک حوصلہ پیدا کرتی ہے۔

دستخط
گوپی ناتھ امن لکھنوی

"عید کا چاند اور محبوب"

وہ چاند نمایاں ہوا گردوں کی جبیں پر
کندہ ہوئی صورت تری نیلم کے نگیں پر

ہر ایک نے ہاتھ اپنے اٹھائے ہیں دعا کو
میں دیکھ رہا ہوں تری معصوم ادا کو

کیا دائرۂ نور کی پیاری سی روش ہے
مرکز ہے نگاہوں کا کچھ اس درجہ کشش ہے

یوں ابر میں ہوتے ہیں مہ نو کے نظارے
جیسے کہ ہو گھونگھٹ میں دلہن شرم کے مارے

ہیکل تری سونے کی چرائی ہے فلک نے
ماتھے سے ترے ٹیک اڑائی ہے فلک نے

چلتے ہوئے بادل میں ستاروں کی روانی
جیسے کہ ہو گنگا میں چراغوں کی روانی

فردوس در آغوش پہ پرکیف نظارے
واللہ یہی ہیں مرے جینے کے سہارے
ہیں چاند کے چہرے پہ جمی میری نگاہیں
اور مانگ رہا ہوں ترے جینے کی دعائیں

اے چاند تری دید زمانہ کے لئے عید
ہم ہجر کے مارے کو مگر حسرت و امید
روشن ہے مرے دل میں چراغ غم الفت
پوچھے کوئی مجھ سے کہ ہے کیا لطف محبت

آنا وہ تری یاد کا وہ اشک فشانی
راتوں کو سسکتی ہوئی بستر پہ جوانی
کس منہ سے کہوں آپنے برباد کیا ہے
حق تو یہ ہے غم دیکے مجھے شاد کیا ہے

کس درجہ حسین تر نظر آتی ہے مجھے یہ عید
ایسے میں میسر جو کہیں ہوتی تری دید
اے کاش ہوا ایسے میں مرا ختم فسانہ
جب آپ نہیں تو مرا بیکار ہے جینا

نورِ سحر

سحر کے نور میں جب چاند تارے ڈوب جاتے ہیں
بہاریں جھومتی ہیں دشت و صحرا لہلہاتے ہیں

مہک اُٹھتے ہیں گلشن سبزہ و گل کی بہاروں سے
کھلے پڑتے ہیں غنچے صبح کے رنگیں اشاروں سے

رگ و پے میں حرارت دوڑتی ہے زندگی بن کر
اک ایسی زندگی جو پھیل جائے روشنی بن کر

گداز دل سے ہر شے میں کشش محسوس ہوتی ہے
کشش بھی وہ کہ آفاقی محبت دل میں بوتی ہے

اثر رکھتی ہیں ناقوس و اذاں کی تیز للکاریں
جگا دیتی ہیں روحیں صبح کے سازوں کی جھنکاریں

بتوں میں ڈھونڈتا ہے اور کوئی مسجد میں سے روتا ہے
ہر اک دل طالب نظارہ محبوب ہوتا ہے

یہی وہ وقت ہے بیدار دل جھکتے ہیں سجدہ میں
خدا ملتا ہے سب کو بندگی کے ایک رستے میں

نہ وہ مندر میں ملتا ہے نہ وہ مسجد میں بستا ہے
خدا بنکر محبت دل کے آئینہ میں ہنستا ہے

جدائی کے لئے شیخ و برہمن لاکھ سر ماریں
محبت خود گرا دیتی ہے سب مذہب کی دیواریں

محبت وہ کہ جس کے فیض سے ہے دو جہاں روشن
محبت ہی سے یہ ویران دنیا بن گئی گلشن

محبت میں شراب غم کی کیفیت بھی پنہاں ہے
اسی مستی سے وابستہ بناءِ اوج انساں ہے

حضرت فائز بنارسی

۱۳ مئی ۱۹۴۷ء بنارس میں یوم فائز کے سلسلہ سے

اے بنارس مسکن فائز کہاں فائز تیرا
اے گلستانِ سخن بلبل ترا کیا ہو گیا

فائز خوش گو ترے نغموں نے دی وہ زندگی
آج تک باقی رہی کاشی میں روح شاعری

گلشن کاشی میں تھا صبح بنارس کی ضیا
نونہالان سخن پاتے رہے جس سے جِلا

تیری سنجیدہ مزاجی، رنگ حسن کوہسار
شوخیٔ تخیّل، موج گنگ بن کر آشکار

ساز ہستی کے سریلے تار کی آواز تھا
گو بظاہر ایک شاعر تھا مگر اک راز تھا

وضعداری یہ مصائب جھیلنا آرام سے
اور زبان نا آشنا ہر شکوۂ آلام سے

کہہ رہے ہیں آج بھی "تاجِ سخنور" کے نگیں
داد دیتے "ذوق و غالب" کاش ہوتے ہم نشیں

عاشقِ آلِ عبا مداحِ آلِ مصطفےٰ
فطرتِ معصوم پر شاہد ہے اک خلقِ خدا

جس کو قدرت نے دیا تھا ایک شاعر کا دماغ
جس کی اصلاح و عمل سے کتنے روشن ہیں چراغ

کوکبؔ و اقبالؔ و فرخؔ اور غنیؔ طاہرؔ ریاضؔ[۲]
حضرتِ فائزؔ کی ہے مشہور یہ علمی بیاض

سن کے شاگردوں کو اور تاجِ سخنور دیکھ کر
ناز فائزؔ پر کرے روشنؔ جو ہو اہلِ نظر

نوٹ[۱]:۔ 'تاجِ سخنور' نام دیوانِ حضرت فائزؔ بنارسی۔
[۲]:۔ بنارس کے مشہور و معروف شعراء و مولف جو فائزؔ مرحوم کے شاگرد تھے۔
جناب فرخؔ بنارسی صاحبِ دیوان "تجلیاتِ فرخؔ"، اور جناب ریاضؔ بنارسی مولفِ "شہیدِ اعظمؔ" وغیرہ

سر فضل علی

یہ نظم جناب سر فضل علی صاحب چیف جسٹس پٹنہ
و فیڈرل کورٹ کے استقبالیہ جلسہ کے لئے کہی گئی۔
(مورخہ ۲ر اگست ۱۹۵۰ء ٹاؤن ہال بنارس) میں پڑھی گئی

ملک وملت کی ہو تقدیر نہ کیوں اچھی بھلی
شامل حال ہو جب فضل خدا فضلِ علی

کشتیٔ امت مرحوم کو فکرِ ساحل!
خیر سے دہر میں قائم ہے ابھی فضلِ علی

جلوۂ صبح بنارس ہے مقدر جس کا
روشنی جس سے زمانہ کی سیاست کو ملی

جس کے اخلاق سے معصوموں کی بو آتی ہے
یہ زباں پاک کہ ہے زمزم وگنگا سے دھلی

جس کی تحریر میں تقدیر کے انداز نہاں
گفتگو میں ہے وہ شیرینی کہ مصری کی ڈلی

دوست تو دوست ہیں دشمن کو بھی اپنائی ہے
یہ کشش خاص ہے آنکھوں میں نظر جس سے ملی

علم و تدبیر نے جانے انھیں کیا کیا بخشا
خاص عزت انھیں قدرت کی طرف سے ہے ملی

ان کے اجداد پہ دروازۂ رحمت تھے کھلے
راز کوئی نہ تھے روشنؔ وہ خفی ہوں کہ جلی

ان پہ نازاں ہے وطن، ہیں یہ وطن پر نازاں
آج یہ بات ہر اک اہلِ وطن پر ہے کھلی

جس کسی سے بھی خلوص ہوتا ہے روشنؔ دل میں
اس کی ہر بات نظر آتی ہے آنکھوں کو بھلی

رابرٹس گنج کو الوداعی سلام

آہ اے رابرٹس گنج اب تو نہ پائے گا مجھے

میں تجھے یاد آؤں گا تو یاد آئے گا مجھے

تیرے کہساروں میں پنہاں عظمتِ وحدت کا راز

اہل علم آتے ہیں جب جا ڈھونڈنے قدرت کا راز

میں بھی آیا خدمتِ خلق خدا کے واسطے

کار تعمیرات سے بستی بڑھانے کے لئے

پڑھ رہا ہوں میں جو لکھا ہے تری تقدیر میں

یعنی تیرا ہاتھ ہوگا ملک کی تعمیر میں

ساری دنیا میں بڑھے گی تجھ سے عزت ہند کی

تیری مٹی سے سنور جائے گی قسمت ہند کی

ہے کہیں سرمٹ کہیں چونا کہیں گندھک کی کان

جستجو پائیگی اب کتنے ہی دھاتوں کے مکان

نازہو گا ایشیا کو آشیانے پر ترے
فخر مترددوروں کو ہوگا کارخانے پر ترے

زیور علم وادب سے تو سنور کر آئے گا
ہند کی تاریخ کا زریں ورق کھل جائے گا

قدرتی تیرے مناظر شاعروں کی زندگی
جن پہ ہوں رنگینیاں صدقے وہ تیری سادگی
مارگُ کے نزدیک کی کے مناظر راحت وغم کے ثبوت
گاہ فردوس نظر گہہ خوف وحیرت کے بھوت

نیچے اونچے خم بہ خم ترے پہاڑی راستے
زندگی کو زندگی کے موڑ دکھلاتے ہوئے
پشتہ دھند رول اور پھر اسکی نازک جوئبار
علم وعقل آدمی کا خوبصورت شاہکار

ہونے والے ہیں یہ منظر جاگتی آنکھوں کے خواب
اٹھنے والا ہے یہاں سے آب ودانہ کا حجاب

شاعری سے غیر فانی روشنی دیتا ہوا
جا رہا ہوں دیکھ تجھ کو زندگی دیتا ہوا

کوئی ہمدم تھا نہ مونس جو بھی تھا بیگانہ تھا
یاد ہے وہ بھی زمانہ جب کوئی اپنا نہ تھا

رفتہ رفتہ غیریت الفت میں ڈھل کر رہ گئی
اجنبی دل یوں ملے دنیا بدل کر رہ گئی

دل کے جذبات نہاں الفاظ میں ڈھلنے لگے
یعنی انداز محبت اور بھی پلنے لگے

آہ جب پردیس میں لطف وطن آنے لگا
خوف نامعلوم سے دل پھر تو تھرانے لگا

رفتہ رفتہ ایک ایسا وقت بھی آ ہی گیا
جب زمانہ نے تری محفل سے اٹھوا ہی دیا

آہ اس اجڑی سی دنیا میں کب آئی دلکشی
دن جدائی کے قریب آئے تو دلچسپی بڑھی

وقتِ رخصت غیر بھی اپنا نظر آنے لگا
شب کچھ اس صورت ہوئی لطفِ سحر آنے لگا

یہ کلب کی صحبتیں یہ دوستوں کی ٹولیاں
آہ روشنؔ یاد ان کی دل کو لیں گی چٹکیاں

نوٹ :- ۱ رابرٹس گنج (مرزاپور) میں پی ڈبلو ڈی کی ملازمت کے سلسلہ سے مقیم تھے۔
سرتیج بلی بہادر کلب رابرٹس گنج کی طرف سے میرے اعزاز میں خورشید علی مرزا صاحب تحصیلدار نے دعوت کی یہ نظم اسی موقع کے لئے کہی اور پڑھی گئی۔ اس کے بعد ہی میرا تبادلہ باندہ ہو گیا۔
۲ جستجو اور تجربات کی جد و جہد نے معلومات دی ہے کہ وہاں معدنیات کی کثرت ہے۔
۳ چرک سیمنٹ فیکٹری وغیرہ
۴ رابرٹس گنج سے سلکھن چوپن جاتے وقت مارکنڈی پہاڑ کے پیچ در پیچ راستوں سے گذرنا ہوتا ہے
۵ رابرٹس گنج کے قریب دھندھرول میں انگریزوں کا بنایا ہوا پانی کا پشتہ ہے۔ جس سے نہر نکالی گئی ہے ::

ٹائپسٹ کنونشن

۲۱ / جولائی ۱۹۵۶ء کو ریلوے انسٹی ٹیوٹ بنارس کینٹ میں آل انڈیا ریلوے ٹائپسٹ اسوسی ایشن All India Rlys Typist Association, Banaras cantt. کی میٹنگ میں ہندوستان کے تمام ریلویز کے نمایندوں اور مخصوص مہمانوں نے شرکت کی اس کی صدارت جناب رگھوناتھ سنگھ صاحب ممبر پارلیمنٹ نے فرمائی۔ انتظام کار سی سی ایس آفس (کلیم اینڈ رفنڈ) این ریلوے بنارس کے کل ٹائپسٹ ہی تھے۔

یہ دیوتاؤں کا استھان ہے یہ کاشی ہے
یہاں جو دل کو جھکا دے اسی کی مکتی ہے
یہ شیوجی کا نگر ہے نہیں کچھ اور ڈگر
یہیں سے پھیلے ہیں سنسار میں ہزار ہنر
کھلے جو آنکھ ہریش چندر کا تیاگ ملے
یہیں سے گیان ملے اور یہیں سے بھاگ نبے
یہیں کبیر پھلے پھولے نام کرکے مرے
نہ بھولے جس کو زمانہ وہ کام کرکے مرے

یہیں سے اُبھرے گورنر بھی اور منسٹر بھی
ہمارے دیش کے سردل عزیز لیڈر بھی

انہیں میں ایک یہ رگھوناتھ سنگھ ایم پی ہیں
جو اپنے اور پرائے کے دل سے ساتھی ہیں

قدم قدم پہ شیوالے نظر نظر میں صنم
ہے اپسراؤں کے جھمگٹ سے گھاٹ باغِ ارم

ہر ایک موج سے گنگا کی لو لگانے کو
ستارے آتے ہیں آکاش سے نہانے کو

نہا کے گنگا میں بھگتی کے راز کھلتے ہیں
پوتر نیر سے انسان کے پاپ دُھلتے ہیں

شری گنیش کسی کام کا یہاں ہو جائے
تو کامیابی کا بھگوان پاسباں ہو جائے

یقین ہے کہ ہمارا یہ آج کنونشن
چراغ بنکے کریگا دلوں کو اب روشن

یہ کامیابی کی پہلی دلیل ملتی ہے
کلی امید کی مرجھا گئی تھی کھلتی ہے

بہت دلوں سے جو سوئے ہوئے تھے جاگے ہیں
جو کارواں سے تھے پیچھے وہ آج آگے ہیں

بس اک صدا پہ ہوئے جمع درد کے مارے
بنارسی آئے ہیں بھارت کے گوشے گوشے سے

یہ ٹائپسٹ ہیں قسمت کو پیٹا کرتے ہیں
جہاں پہ ہوتے ہیں پیدا وہیں پہ مرتے ہیں

جو ناچتی ہے مشینوں کے ساز پر انگلی
ٹھہر کے دیکھنے لگتی ہے وقت کی تیزی

یہ دوسروں سے زیادہ ہیں قابلیت میں
مگر یہ پست ہی رکھے گئے ہیں عزت میں

بہت ہی اہم ہیں دفتر کے کام انکے سر
ترقیوں کے مگر راستے ہیں بند ان پر

ہماری مانگ بہرحال ہوگی اب پوری
نگاہ کر دیں جو رگھوناتھ جی عنایت کی

نیا سورج

تیرہ و تار فضا چیختی روحوں کے ہجوم

ٹمٹماتے سے چراغ اور سسکتے ہیں نجوم

ہر طرف ہند میں چلتی تھیں ہوائیں مسموم

اہل بھارت کے دلوں پر تھی غلامی مرقوم

نفرت و کینہ میں ہر دل کو پھنسا رکھا تھا

حاکم وقت نے طوفان اٹھا رکھا تھا

نور آزادیٔ کامل کی ضیائیں پھیلیں

صدق و انصاف و اخوت کی صدائیں پھیلیں

رسم و راہ بشریت کی ادائیں پھیلیں

جھومتی پیار و محبت کی گھٹائیں پھیلیں

پوربندر سے جو گاندھی کا مقدر چمکا

قسمت ہند کا روشن نیا سورج نکلا

مادر ہند کے چہرہ پہ نکھار آہی گیا
دلِ بیمار محبت کو قرار آہی گیا
چمن خشک پہ پھر رنگ بہار آہی گیا
اپنا کھویا ہوا برسوں کا وقار آہی گیا

ڈوبتے ڈوبتے پھر نبض وطن تیز ہوئی
زندگی روکش طوفان بلا خیز ہوئی

وہ کرم چند تھا بھارت کا نہیں جسکی مثال
سرحدی گاندھی کو بھی بخش دیا اپنا کمال
حسن تھا جیسے اشوکا کی ہو تصویر جمال
رخ پہ تھا چھایا ہوا اکبر اعظم کا جلال

سچ یہ ہے روپ میں گاندھی کے تھی قدرت کی دین
صرف بھارت نہیں دنیا کو تھی رحمت کی دین

نقشِ اصلاح بھی تھا مرکزِ تعمیر بھی تھا
پیکرِ حسن بھی تھا عشق کی تصویر بھی تھا
جس سے تقدیر چمکتی ہے وہ تدبیر بھی تھا
ظلم تھرائے اہنسا کی وہ شمشیر بھی تھا

وقت کے ساتھ ہی بڑھتی گئی تنویر اسکی
لوحِ ہستی پہ ابھرتی رہی تصویر اسکی

پائے ہمت نہ رکے پڑھتے رہے گو چھالے
ایک جا کر دئے سب ہند کے گورے کالے
نہرو و لال بہادر کے سے رہبر ڈھالے
اندرا گاندھی و آزاد سے انساں پالے

"ایشور اللہ ترے نام" کے جادو وہ پڑھے
ہندو و مسلم و عیسائی و سکھ ایک ہوئے

آؤ مل جل کے یہ گاندھی کی قسم عہد کریں

قوم و مذہب کیلئے ہو نہ ستم عہد کریں

قومی یکجہتی کا رکھیں گے بھرم عہد کریں

امن و آزادی پہ مٹ جائینگے ہم عہد کریں

جنگ اور ظلم کا سر اب نہ ابھرنے دیں گے

ستیہ کو اور اہنسا کو نہ مرنے دینگے

"بنگال کی بھوک"

دوڑتے ہیں بھیڑیے انسانیت کے دیس میں
لو سیاست آ گئی چنگیز خاں کے بھیس میں

تھے جو کل تک لال سوداگر وہ اب ہیں راہ زن
باغباں بن کر لگائی آگ جل اٹھا چمن

لُٹ گئے کھلیان سارے کھیت ویراں ہو گئے
دانے دانے کے لئے محتاج دہقاں ہو گئے

اُف نظر آتی نہیں اب دیکھنے کو روٹیاں
آدمی خود نوچتا ہے آپ اپنی بوٹیاں

دیکھ ہونٹوں پر ہے انسانوں کے انساں کا لہو
آ گئی ہے اب بنی آدم میں حیوانوں کی خو

صرف اِک مٹھی چنے پر بِک رہی ہے عصمتیں
کیا ہوئی وہ شرم تیری کیا ہوئیں وہ غیرتیں

کوڑیوں کے مول بازاروں میں تیری بیٹیاں

بک رہی ہیں اور نہ بھڑکیں اب بھی تیری پسلیاں

دل جلے اب سرد آہیں بھر رہے ہیں بھوک سے

تیری بہنیں تیرے بھائی مر رہے ہیں بھوک سے

کیا ترے کانوں میں رونے کی صدا آتی نہیں

کیا یتیموں کی فغاں بھی تجھکو چونکاتی نہیں

موت سے پہلے مرے جاتے ہیں سب چھوٹے بڑے

اور مسیحائے زمانہ تک رہے ہیں منہ کھڑے

زندگی کا بھوک سے کوئی کنول کھلتا نہیں

زہر بھی کھانے کو بازاروں میں اب ملتا نہیں

یاس و حسرت کے سوا اب کوئی شے ملتی نہیں

دیکھنے کو ہے زبان منہ میں مگر ہلتی نہیں

بھوک کا عالم نگاہوں سے نہ دیکھا جائے گا

اس لئے اک باپ، بیٹے کا دباتا ہے گلا

ہو کے عاجز زندگی سے ہاتھ دھونے کے لئے
ریل کی پٹڑی پہ جاتا ہے وہ سونے کیلئے

رہ کے جو دیہات میں دنیا کو دیتے تھے حیات
بھیک لینے شہر میں آئے ہیں وہ پھیلا کے ہاتھ

قحط کا ہے جسقدر کہ عام جنتا پر عذاب
بڑھ رہا ہے اور دولت کے پجاری کا شباب

راستے میں قے اگر کرتا ہے گھبرا کر کوئی
اس کو کتّے کے بجائے چاٹتا ہے آدمی

کتے بلی وہ بھی مردہ اور کچھ پیڑوں کی چھال
ہوں غذا انسان کی اللہ رے مجبوری کا حال

حیف انساں اور حیوانوں سے بھی ہو پست تر
بھوک اسکو وہ کھلائے جو نہ کھائے جانور

ہر دہ ماں کے سینہ سے بچے چمٹ کر رہ گئے
کیسے وہ انسان ہیں جو ظلم یہ بھی سہہ گئے

اس قدر بنگال میں ہے دال چاول کی کمی
بھوک کی اب اسپتالوں میں دوا ہونے لگی
گھر تو ان کا ہے مگر مہمان سے بدتر ہیں وہ
یعنی کتوں کی حقیقت سے کہیں بڑھ کر ہیں وہ
یہ مشیت کا نہیں ہے یہ حکومت کا عتاب
آج کا یہ قحط لیکن ہے پیام انقلاب
دیکھ سڑکوں پر وہ بھوکوں کی تڑپتی لاش کو
جوڑ دے بڑھ کر غریبوں کے دل صد پاش کو
کیوں سڑی لاشوں کی بدبو سے نہیں پھٹتا دماغ
کیوں بھڑک اٹھتا نہیں تیری حمیت کا چراغ
چوٹ وہ کھائی ہے تو نے جو کبھی کھائی نہ تھی
وہ بلا آئی ہے سر پر جو کبھی آئی نہ تھی

بے خبر ہشیار ہو زنجیر غفلت توڑ دے
چھوڑ دے ہاں چھوڑ دے ایوان راحت چھوڑ دے

ملک میں بھڑکا رہا ہے کون غم کی آگ کو
بے محل یہ گا رہا ہے کون دیپک راگ کو

ہے کوئی ایسے میں بڑھ کر چھیڑ دے میگھ راگ
اور بجھا دے ابر رحمت بنکے یہ غربت کی آگ

تجھکو اس بہتی ہوئی گنگا و زمزم کی قسم
تجھکو ابیوہ عورتوں کی چشم پر نم کی قسم

تجھکو مذہب کی قسم ہے اپنے ایماں کی قسم
تجھکو گیتا کی قسم آیات قرآں کی قسم

تجھکو کعبہ کی قسم کاشی کے دیوتا کی قسم
رام کی ہے کرشن کی ہے اور اللہ کی قسم

بھائی پر اپنے چڑھا دے بھینٹ جان و مال کی
بے دعائیں بدھ کے بھارت کے سپوت و لال کی

دے انہیں جو کچھ بھی دے سکتا ہے اپنے پاس سے
تک رہے ہیں تیری صورت دیکھ وہ کس پاس سے

مادرِ ہندوستان کا دودھ پینے دے انھیں
اور ابھی کچھ روز دنیا میں تو جینے دے انھیں

موڑ دے ہاں موڑ دے بربادیوں کی باگ کو
پائے ہمت سے کچل دے بھوک کی اس آگ کو

رونے والوں کے لبوں کو مسکرانا ہے ابھی
انقلاب آزادیٔ انسان کا لانا ہے ابھی

کر دے روشن وہ چراغِ زندگی اب ہند میں
رہ نہ جائے تیرگیٔ بیکسی اب ہند میں

"امیر کارواں مارا گیا"

گلشنِ انسانیت کا باغباں مارا گیا
ناخدائے کشتیٔ ہندوستاں مارا گیا

زندگی جس کی تھی صلح و امن کی پیغامبر
حیف اک ایسا امیر کارواں مارا گیا

کیوں اداسی چھائی ہے بے نور کیوں دنیا ہوئی
بندۂ حق کوئی دورِ آسماں مارا گیا

جس نے اپنی زندگی راہِ خدا میں وقف کی
آہ وہ دیر و حرم کا پاسباں مارا گیا

جس کی پیری عزم و استقلال کا زندہ شباب
آہ وہ گیتی کا فرزند جواں مارا گیا

جشنِ آزادی نے بڑھ کر جس کے چومے تھے قدم
آج وہ شاہنشہِ ہندوستاں مارا گیا

بادشاہی جس نے کی روحانیت زور سے
ہندو والو وہ تمہارا حکمراں مارا گیا

یاد ہے کس نے کہا تھا ہندو مسلم ایک ہیں
وہ ہی باپو یعنے سب کا مہرباں مارا گیا

خون جس کا دیوتا کے خون سے کچھ کم نہ تھا
ایک وہ انساں ہمارے درمیاں مارا گیا

وہ اہنسا کا پجاری وہ کرم کا دیوتا
جانے کس جرم و خطا پہ بے زباں مارا گیا

دشمنوں کو دیکھتا تھا جو نگاہ لطف سے
حیف ہے وہ دوستوں کے درمیاں مارا گیا

مادر ہندوستان کی گود خالی ہو گئی
ایک ہی بچہ تھا اس کا بے زباں مارا گیا

شرم سے گردن جھکی جاتی ہے اے اہل وطن
اپنے ہاتھوں آج اپنا حکمراں مارا گیا

لو سبق برؔما سے چونکو ہندوالو ہوشیار
یہ نہ کہنا دوسرا بھی پاسباں مارا گیا

خیر ہو انجام کی یہ تو ابھی آغاز ہے
پہلی ہی منزل پہ میر کارواں مارا گیا

بجھ گیا روشن چراغِ عظمتِ ہندوستاں
آہ گاندھی باغباں گلستاں مارا گیا

نوٹ:۔ برؔما میں ایک باغی جماعت نے اپنے ملک کے بہت سے لیڈروں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا جو ملک کو آزاد کرانے کی فکر میں تھے ::

شہید اعظم ہند

گرا ہے ہند کی قسمت کا تاج دہلی میں
سہاگ قوم کا اجڑا ہے آج دہلی میں

بھری بہار میں منہ موڑ کر چلا مالی
گلوں کی کون کرے اب چمن میں رکھوالی

لہو برسنے لگا موسم بہاراں میں
یہ کس نے آگ لگا دی بھرے گلستاں میں

مصیبتوں میں کرے آہ کون غم خواری
وہ اٹھ گیا کہ جو کرتا تھا ناز برداری

وہ بیوہ اور یتیموں کا آسرا نہ رہا
وہ ملک و قوم کی کشتی کا ناخدا نہ رہا

گذرنے والے ذرا مڑ کے دیکھ ایک نظر
زمانہ خاک تری مل رہا ہے ماتھے پر

ترے پجاری ترے غم میں جان کھوتے ہیں
کہ اپنے باپ کو جیسے یتیم روتے ہیں

جو پاؤں سے تری تصویر کو مسلتے تھے[1]
انہیں کے سر ترے قدموں پہ آج جھکنے لگے

ہر اک زبان پہ جاری مہاتما کی ہے
ہر ایک دل کے شیوالے میں تیری مورتی ہے

برہنہ پا کھلے سر آنکھ میں بھرے آنسو
زمانہ تیرے جنازے کے ساتھ ہے ہر سو[2]

یہ تیرے سوگ میں اظہار غم کا عالم ہے
ہر ایک قوم میں مجلس ہے، تیرا ماتم ہے

اثر ہو کیوں نہ ترے غم کی داستانوں میں
کہ کربلا کا تھا منظر تری نگاہوں میں

یہ اس شہید محبت کا آج ماتم ہے
کہ جس کا سہرا اعظم شہید اعظم ہے

ہمیشہ زندہ رہے گا وہ کام کر کے گیا
شہید قوم کا دنیا میں نام کر کے گیا

ترے عمل سے زمانہ کو جو محبت ہے
وہ اہل دل کے لئے ایک درس عبرت ہے

وفا پرست بنائیں گے جب ترا مدفن
زمانہ اس سے سبق لیگا اے شہید وطن

اہنسا اور محبت عمل سے جاری ہے
ہر ایک مسلم و ہندو ترا پجاری ہے

وہ جس اصول کو سینچا ہے خون سے تو نے
خدا کرے کہ وہ پودا بڑھے پھلے پھولے

جہاں میں شمع عمل کی ہے اب بھی لو باقی
چراغ بجھ گیا روشن مگر ہے ضو باقی

نوٹ ع ۱:- یہ واقعہ ہے کہ مہاتما گاندھی کے قاتل کے ساتھیوں نے گاندھی جی کے قتل کی خبر سن کر خوشیاں منائیں اور مٹھائی تقسیم

کی۔

۲۔ دنیا میں گاندھی جی کی پہلی شخصیت تھی کہ جنکی شہادت دہلی میں ہوئی اور جنازہ بھی دہلی میں اٹھایا گیا لیکن ان کی ارتھی کی نقل ہندوستان کے شہروں اور دیہاتوں میں بھی اٹھائی گئی۔ اس شان کا سوگ پڑھنے، سننے یا دیکھنے میں نہیں آیا۔ ※

۳۔ مہاتما گاندھی جی اپنے قتل کے چند روز پہلے دہلی کے مشہور بزرگ بختیار کاکیؒ کے مزار پر گئے تھے جن کا حسب و نسب امام حسینؑ سے ملتا ہے۔ اس کے علاوہ مہاتما گاندھی نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا " میں اہل ہند کے سامنے کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا۔ بلکہ میں نے کربلا کے ہیرو کی زندگی کا بخوبی مطالعہ کیا ہے۔ اور اس سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ ہندوستان کی اگر نجات ہوسکتی ہے تو ہم کو حسینی اصول پر عمل کرنا چاہیئے"۔

(بحوالہ تقریر جلسہ احمد آباد) بذریعہ ٹائمز آف انڈیا
حسینی دنیا ص ۴۹

※ عوام میں جوش غم کا یہ حال تھا کہ سنّی، شیعہ، ہندو، سکھ، عیسائی سر ننگے پاؤں ننگے روتے ہوئے ارتھی کا کاندھا دے رہے تھے۔

جشن آزادی

چمن پھولا کھلیں کلیاں بہار آئی خوشی چھائی
مسفور کر اک نئے انداز سے پھر زندگی آئی

وہ امرت جل لئے بادل بڑھے مستی میں لہراتے
اٹھے سبزے ہوا انکی ہر اک ذرہ میں جان آئی

کہیں کوئل کی کو کو ہے پپیہے کی کہیں پیہو
بھرے گلشن پہ آزادی کی مستی ہر طرف چھائی

مٹا صیاد کا کھٹکا گل و بلبل ملے باہم
بڑی قربانیوں کے بعد یہ اپنی مراد آئی

یہ ہندوستان و پاکستان کہنے کی ہیں دو چیزیں
الگ رہ کر کبھی دل سے جدا ہوتے نہیں بھائی

چمن کے پھول کیا کانٹوں سے بھی مجھکو محبت ہے
مری آنکھوں نے اب آزاد ہو کر یہ نظر پائی

مبارک ہو مرے اہلِ وطن تم کو مبارک ہو
غلامی کی کٹی بیڑی مسرت کی گھڑی آئی

زمینِ ہند تجھ کو مدتوں پر یوں سنوارا ہے
زمانے نے کبھی دیکھی نہ ایسی ملک آرائی

حکومت ہے یہاں اس شان سے جنتا کے ہاتھوں میں
سر اپنا جس کے قدموں پر جھکائے آج دارائی

نظر بد دور یہ پچیسواں ہے سالِ آزادی
جوانی کے نئے عزم و یقیں لیتے ہیں انگڑائی

چمن میں باغبانوں نے لگا رکھے تھے جو پودے
نئے پھولوں پھلوں کے ساتھ اب ان پر بہار آئی

کرشمہ ہے کہ بنجر وادیاں سونا اگلتی ہیں
یہ ہے جنتا کی محنت انقلابِ سبز لے آئی

مزا جب ہے کہ اپنے بوڑھے مالی کی ردِ ہشیٔہ بکرد
زمانہ کہہ اٹھے دیکھو خزاں پر بھی بہار آئی

مٹایا جا رہا ہے فرق امیری اور غریبی کا
چھڑائی جا رہی ہے ذہنِ انساں پر لگی کائی

ترقی وہ کہ جس پر خود ترقی ناز کرتی ہے
یہ بھارت آج بھی ہے آفتابِ علم و دانائی

چراغِ آزادیٔ ہندوستاں کا کیوں نہ روشن ہو
شہیدانِ وطن کے خون نے تاثیر دکھلائی

کوئی دیکھے یہ عالم جوشِ آزادی کا اے روشنؔ
خوشی دل کی جوانی بن کے چہروں پر نکھر آئی

بنارس کو الوداعی سلام

اے مرے اچھے بنارس کعبۂ اہلِ ہنود
ایک دنیا کے لئے تیری زمین جائے سجود

تیری گلیاں جنتِ آدم کی وہ راہِ حسین
اپسرائیں رات دن جس جا جھکاتی ہیں جبیں

یہ منادِر یہ مساجد یہ مسلماں یہ ہنود
کارگہہ ہیں جس طرح ہوتے ہیں رنگ تار و پود

ہندو مسلم یوں گلے مِل مِل کے رہتے ہیں یہاں
گنگا جمنا کی ہیں موجیں جس طرح باہم رواں

موسمی میلے یہ ہر جا تریوں کے ہجوم
کیرتن میں گانے والے گا رہے ہیں جھوم جھوم

جس کو دیکھو سُرخرو ہے جس کو دیکھو شادماں
کیف میں ڈوبی ہوئی ہے رنگ و بو کی داستاں

یہ کھلے بازار یہ اونچے مکاں یہ تیرے گھاٹ

یہ فضا یہ سبزہ زار اور یہ حسیں گنگا کا پاٹ

تیرے قدموں پر تری گنگا کی یہ موج رواں

ماہ نو کے پاس جیسے آگئی ہے کہکشاں

یہ طلوع آفتاب صبح یہ ماہ تمام

کاش مرے دل سے پوچھے کوئی لطف صبح شام

یہ حسیں پھولوں سے نازک جنکا جسم مرمریں

جنکے جلوں سے ہے روشن صبح کاشی کی جبیں

جن سے ہے خانوں کی زینت جن سے ہے کاشی کا سنگھار

دم قدم سے جن کے قائم ہے بنارس کی بہار

گھاٹ پر دیکھے کوئی غوطے لگانے کی بہار

پھول جیسے گر رہے ہوں آب جو میں بار بار

صندلی ماتھے پہ ٹیکا ہاتھ میں گنگا جلی

یوں نہا کر دیویاں نکلیں کہ جیسے جل پری

کشتیوں پر ہیں شباب و حسن کے جلوے عیاں
منظر کشمیر جیسے موج گنگا پر رواں

یاتری کل ہند کے اس گیان کے رستے میں ہیں
پھول سارے گلستاں کے ایک گلدستے میں ہیں

سادگی انسان کی ہے دیوتا کے روپ میں
ہر کنول کھلتا ہے دلکا معرفت کی دھوپ میں

کتنے ہی سورج تری آغوش میں پل کر بڑھے
آدمیت ساز جن کی دھوپ میں چل کر بڑھے

اپنے جیون کو امر اور مکت کرنے کے لئے
لوگ آتے ہیں ترے قدموں پہ مرنے کے لئے

اے وطن تو حسن خود آرا سے مالا مال ہے
سنگ ریزہ بھی ترے دامن میں گویا لال ہے

اک نگاہ آخری تجھ پہ کئے جاتا ہوں میں
اے وطن تری بہاروں کو لئے جاتا ہوں میں

تجھ سے میری زندگی تھی مجھ سے تیرا نام تھا
کیا خبر تھی یہ بھی رشتہ اک خیال خام تھا

یوں غم فرقت میں تیرے گم ہوئی ہے میری ذات
ڈوب سی جیسے گئی ہے آج نبض کائنات

وہ ترا روشن کہ جس پر ناز تھا تجھ کو کمال
چھوٹ رہا ہے آج تیری گود سے وہ ترا لال

گود میں تیری مرا بچپن ہوا پل کر جواں
شاعری کو مری بخشا زندگی جاوداں

ہائے کس دل سے تجھے چھوڑوں قدم اٹھتے نہیں
ہاں مگر اب رنج تنگاہوں کے ستم اٹھتے نہیں

اے وطن تجھ پر مصیبت کی گھٹا چھانے لگی
قہقہوں سے تیرے رونے کی صدا آنے لگی

اب کسی صورت نہیں ممکن پناہ زندگی
ڈھونڈنے کو جارہا ہوں دور راہ زندگی

دور ہو کر تجھ سے رہ سکتا نہیں آرام سے
اب پکارا جاؤنگا ستشر نار تھی کے نام سے

بال بچے دادا دادی باپ ماں اہل ادب
داغِ دل رہ جائے گا یہ نعمتیں بچھڑینگی جب

اک تمنا یہ بھی تھی میرے دلِ صد چاک میں
اپنی مٹی کو ملا دوں تیری خاکِ پاک میں

حسرت و ارماں کے رشتے توڑ کر جاتا ہوں میں
روشن اک دنیا ہے جسکو چھوڑ کر جاتا ہوں میں

گو آ سکے دم لیں گے

وطن جنت ہے اس کی ہر ادا میں لطف راحت ہے
جو دل رکھتے ہیں انکو ذرہ ذرہ سے محبت ہے
لہکتے سبزہ زاروں میں یہ بل کھاتے ہوئے دریا
پہاڑوں کی قطاریں دور تک پھیلے ہوئے صحرا
اٹھا کرتی ہیں موجیں بحر کے بیتابئ دل سے
سکوں لینے کو ملتی ہیں گلے بھارت کے ساحل سے
شباب امڈا ہوا ہے ہر طرف رنگین منظر پر
امنگیں چھائی ہیں پر جوش انسانی سمندر پر
اٹھی آزادی صبح وطن لیلے کے انگڑائی
ہوئے بیدار نغمے زندگی پر کیفیت چھائی
مگر ہیں قہقہوں کے ساتھ کچھ آواز رونے کی
علامت ہے کسی مظلوم پر بیداد ہونے کی
وہ گوا ہے وہاں پر پرتگالی ظلم کرتے ہیں
غلامی میں ابھی تک کچھ ہمارے بھائی مرتے ہیں

ہم اپنی سر زمیں پر غیر کا قبضہ نہ دیکھیں گے
کسی صورت خزاں کا باغ میں پہرا نہ دیکھیں گے

نہتوں پر ہمارے گولیوں کی بارشیں کب تک
ہمارے گھر میں رہ کر اور ہمیں سے سازشیں کب تک

ہے گوآ کی غلامی داغ آزادی کے دامن پر
یہ دھبہ دور کرنا ہے لہو کی دھار سے دھو کر

جب اپنی آن پر آئے تو اپنی شان دکھلا دی
لگا کر سر کی بازی مرد کی پہچان دکھلا دی

اڑا ڈالی ہے ہم نے قوت افرنگ کی دھجی
ہمیں نے خون پانی کر کے اپنا لی ہے آزادی

ہزاروں دشمنوں کو ایک بوڑھے نے بھگا مارا
کروڑوں نوجواں گاندھی، جو بن جائیں تو کیا ہوگا

ہماری خاموشی میں تیغ کی جھنکار پنہاں ہے
ہمارے ہر قدم میں موت کی رفتار پنہاں ہے

اگر اٹھتے ہیں دشمن کے لئے تلوار بنتے ہیں
جہاں ٹھہرے ہمالیہ کی طرح دیوار بنتے ہیں

یہ کہدو پرتگالی راج گوا سے نکل جائے
کہیں ایسا نہ ہو کہ تیغ کی آنچوں میں جل جائے

آہنا کے پجاری جان پر کھیل کے سر دینگے
قسم ہے یوم آزادی کی گوا لیکے دم لینگے

جواہر و گلاب

اے جواہر تو حریف گردش ایام تھا
کام طوفانوں سے بھی لینا یہ ترا کام تھا

ساری دنیا میں ترے کھادر کا تجھ سے نام تھا
تو مجسم اتحاد و امن کا پیغام تھا

آج تیری موت سے سارا جہاں غمگین ہے
یہ زمیں غمگین ہے یہ آسماں غمگین ہے

ملک میں ایثار و قربانی کی اک تصویر تھا
ہند کے خوابِ ترقی کے لیئے تعبیر تھا
عالم انسانیت کی ضو فشاں تقدیر تھا
ناز تھا تقدیر کو جس پر تو وہ تدبیر تھا

مر کے بھی نہرو ترا اقبال گھٹ سکتا نہیں
موت سے حسن عمل کا رنگ کٹ سکتا نہیں

آسرا تجھ سے لگائے بیکس و ناچار تھے
چاہنے والے تجھے بے دین کیا دیندار تھے
تیری اک آواز پر اہل نظر بیدار تھے
مال و زر کیا جان دینے کو بھی سب تیار تھے

ہند کیا تو ایشیا میں وقت کی آواز تھا
تھی صدا جس میں کروڑوں دل کی تو وہ ساز تھا

تیرا غم ہر ایک دل میں اس طرح گھر کر گیا
جیسے بھارت کے ہر اک کنبہ میں کوئی مر گیا
موت سے تیری دل اپنا زندگی سے بھر گیا
تھیں بہاریں جسمیں ہر موسم کی وہ منظر گیا

یہ اداسی ہے کلی دل کی ذرا کھلتی نہیں
چاند تاروں میں بھی پہلی سی ضیا ملتی نہیں

اٹھ گیا جمہور سے جمہوریت کا پاسباں
منزل آزادئ کامل کا میر کارواں
بھیس میں خادم کے تھا بے تاج کا شاہ جہاں
وہ جواہر کھو گیا اے مادر ہندوستاں

یوں تو بھارت میں بہت ہیں حسب ضیا اقبال بھی
ڈھونڈ تو ہے دوسرا کوئی جواہر لال بھی

دور حاضر کا ارسطو اور سیاست کا امام
خُلق و ایثار و محبت کا مجسم اک پیام
عالم تہذیب کا تو راہبر تھا لا کلام
آدمی کا روپ لیکن دیوتا کے سارے کام
ہو گیا ہے عالم انسانیت زیر و زبر
امن عالم رو رہا ہے آج تیری موت پر

جذبۂ حبِ وطن یہ تھا دلِ بیباک میں
جذب کر دی اپنی ہستی ہر خس و خاشاک میں
خاک ہو کر مل گیا اپنے وطن کی خاک میں
روح بن کے رچ گیا بھارت کے جسم پاک میں
موت سے کچھ اور بھی روشن محبت ہو گئی
اک حدیثِ آرزو تیری حقیقت ہو گئی

کام اور بس کام تیری زندگی کا رنگ و آب
شرع میں تیری نہ تھا جائز کبھی آرام و خواب
وہ ارادوں میں جوانی وہ ضعیفی میں شباب
دیکھتا ہوں تیرا چہرہ دیکھتا ہوں جب گلاب

مٹ گیا گل رہ گئی خوشبو کی صورت زندگی
پا گئی معراج انسانی کی عظمت زندگی

تیری خوشبو تیری تحریروں میں تقریروں میں ہے
تیری خوشبو اب تری خاموش تصویروں میں ہے
تیری خوشبو خواب آزادی کی تعبیروں میں ہے
تیری خوشبو اس نئے بھارت کی تعمیروں میں ہے

پھول کھلتے ہی رہینگے اب تو لیکر خو تری
ذرہ ذرہ میں چمن کے بس چکی ہے بو تری

صرف تجھ کو کم نظر ہی نے کہا مردہ ہے تو

ورنہ دور اندیش کہتا ہے ابھی زندہ ہے تو

ہے بھرم جنتا میں تیرا گو پس پردہ ہے تو

امن عالم جس سے روشن ہے وہی جلوہ ہے تو

روپ میں دیوی کے تیرے خون کی تاثیر ہے

تیری بیٹی اندرا گاندھی تیری تصویر ہے

چھوٹا سا ہے قد حوصلہ عالی ہے بلی پنے

(بہ رنگِ قصیدہ)

اے بامِ ترقی کے چمکتے ہوئے سورج
اللہ کرے اور زیادہ تری سج دھج

پُرنور جبیں خُلق و مروت کی صبا سے
ملتی ہے ادا مہرِ درخشاں کی ادا سے

چہرہ کی صباحت سے ٹپکتی ہے شرافت
آنکھوں سے چھلکتی مئے ناب محبت

آئینۂ دل پر نہ چڑھی گردِ کدورت
ماتھے پہ شکن فہم و فراست کی علامت

ہے صورت و سیرت سے عیاں حسن کا عالم
اس شان کے انساں نظر آتے ہیں بہت کم

رونق وہِ کرسیِ جواہر نہ تھا کوئی
جولاں تہا دُر کہ ہے جمہور کا والی

گاندھی کی متانت لب آزاد کا اعجاز

اک لال بہادر ہے کہ جس پر ہے انہیں ناز

ٹھوڑا سا ہے قد حوصلہ عالی ہے بلی ہے

جس سمت چلا فتح و ظفر ساتھ چلی ہے

گہہ رزم کا فاتح تو کہیں بزم میں یہ صدر

یہ دوج کا چاند اتنا چمکدار کہ ہے بدر

شیوا کا جواں عزم ہے ٹیپو کی شجاعت

اک لال بہادر میں ہے کُل ہند کی طاقت

"ہتھیار کا دشمن کے جواب ہوگا اب ہتھیار"

بھارت کے یہی لال بہادر کی ہے للکار

تلوار کو دشمن پہ کچھ اس شان سے تولا

تاریخ شجاعت کے نئے باب کو کھولا

ہے قوم کو ناز اس پر اسے قوم پہ ہے ناز

یکجہتی کے اس ساز پہ ہے ملک ہم آواز

گاندھی سی نہ کیوں لال بہادر کی ہو عظمت

ان دونوں ہی نیتا کا ہے اِک یومِ ولادت

پھولوں کا تو کیا ذکر ہے کانٹے بھی ہیں مسرور

کی جس پہ نظر تو نے وہی ہو گیا مسحور

یہ حسنِ عطا اور یہ اندازِ کرم ہے

قلب و گل و غنچہ پہ ترا نام رقم ہے

رہتی ہے تری سمت نظر اہلِ کرم کی

کیا جانے کوئی تیرے سوا قدر گہر کی

خالی گلِ امید سے رہ جائے نہ دامن

روشن کے مقدر کو بھی کر دے ذرا روشن

نوٹ:-

یہ نظم "برنگِ قصیدہ" ایک مخصوص بزم میں پڑھی گئی۔ جسکی صدارت جناب لال بہادر شاستری وزیر اعظم ہندوستان نے کی۔ (تصویر نمبر ۷ ملاحظہ ہو)

"کنور سنگھ"

سن ۱۸۵۷ء

سن ستاون کی بھارت میں گونج اٹھی للکار

دھرتی ڈولی پربت کانپے ڈول گیا سنسار

بجلی کوندی ناگن لپکی اُوپ گئی تلوار

گونج اٹھی للکار، ڈول گیا سنسار، اوپ گئی تلوار

سن ستاون کی بھارت میں گونج اٹھی للکار

موت کی لے پر جب گوروں کا ناچ پڑا بھیان

مظلوموں کی آہیں جاگیں چیخ اٹھا انسان

قبروں نے منہ کھولے اپنے بھبھک گئے شمشان

ناچ پڑا بھیان، چیخ اٹھا انسان، بھبھک گئے شمشان

سن ستاون کی بھارت میں گونج اٹھی للکار

موت کی منزل طے کرنے کو جاگ اٹھا رہگیر

ہندوستان کا شیر کنور سنگھ سو بیروں کا بیر

بوڑھا رن میں بنکر نکلا کڑی کمان کا تیر

جاگ اٹھا رنگبیر، سوبیروں کا بیر، کڑی کمان کا تیر
سن ساون کی بھارت میں گونج اٹھی للکار

بیر نے اپنی موت کو سمجھا جیون کا سنگھار
بندوقوں کی آگ پہ ڈالا تیروں کی بوچھار
سن کر اور فرنگی دہلے تیغوں جھنکار
جیون کا سنگھار، تیروں کی بوچھار، تیغوں کی جھنکار
سن ساون کی بھارت میں گونج اٹھی للکار

پہلے جس نے نیو رکھی وہ آزادی کا راج
ہندو مسلم کا رکھوالا بھارت کا سرتاج
خون کا اپنے دیپ جلا کر چمک رہا ہے آج
آزادی کا راج، بھارت کا سرتاج، چمک رہا ہے آج
سن ساون کی بھارت میں گونج اٹھی للکار

"دیوالی"

ہو مبارک جشنِ دیوالی امنگوں کی بہار
یہ چراغوں کی سنہری دھوپ رنگوں کا نکھار

ہر طرف دیپاولی ہنستے دیئے بکھرا گئی
جیسے دنیا کی خوشی بھارت میں پہنچ کر آ گئی

دیپ لہرائے ستارے دیکھ کر شرما گئے
جتنے تھے آکاش میں تارے زمیں پر آ گئے

ڈھل گئی ہے رنگ رلیوں میں بشر کی سادگی
امن و راحت کے نشہ میں ناچتی ہے زندگی

یہ گھروندے کی سجاوٹ یہ کھلونوں کی بہار
آگیا ہے آج مٹی پر جوانی کا نکھار

قمقموں کی روشنی سے شہر میں اڑتا ہے پھاگ
جیسے جنگل میں لگی ہے ڈھاک کے پھولوں سے آگ

دیکھ کر دلکش سجی پیاری مٹھائی کی دوکان
تنگدستی پھرتی ہے اپنے ہونٹوں پر زبان

کون ہے جس کو یہ دیوالی کا دن آیا نہ راس
جس کو دیکھو آج پہنے ہے جوانی کا لباس

انتہا یہ ہے مسرت کی زمین ہند پر
ہر مکاں گویا نظر آنے لگا شادی کا گھر

مست لچھمی کے پجاری آج تن من دھن سے ہیں
سارے دیپک لو لگائے ایک جگجیون سے ہیں

ہاں مگر یہ فرق دیوالی سے ظاہر ہو گیا
جسمیں جتنا تیل ہے اتنا ہی روشن ہے دیا

لطف جب ہے دیپ کی صورت بسر جیون کریں
دل کی دنیا میں محبت کے دیئے روشن کریں

"جوش و ہمّت کی ہولی"

جگت میں بڑی دھوم سے آئی ہولی

بہاروں کا سندیش بھر لائی ہولی

زمیں کیا ہے آکاش پر چھائی ہولی

ستاروں نے کرنوں سے برسائی ہولی

جدھر دیکھئے رنگ بکھرے ہوئے ہیں

سبھی مست ہیں روپ نکھرے ہوئے ہیں

امنگ حوصلہ جوش و ہمت کی ہولی

نئی زندگی امن و راحت کی ہولی

یہ پھاگن کا موسم محبت کی ہولی

عجب رنگ لائی ہے بھارت کی ہولی

نظر کے اشاروں سے دل کھل رہے ہیں

سب اپنے پرائے گلے مل رہے ہیں

گلال اور عبیر اُڑ رہے ہیں فضا میں

ستارے چمکتے ہیں گلگوں گھٹا میں

جوانی کی اٹھکھیلیاں ہیں ہوا میں

جسے دیکھیئے مست اپنی ادا میں

کوئی غم نہیں عیش ہی زندگی ہے

عجب دین ہولی نے بھارت کو دی ہے

دھنک اور اوشا نے مِل جُل کے روشن

بنایا ہے دھرتی کے آنچل کو گلشن

یہ رنگوں کی برکھا ہے ہولی میں ساون

ڈبویا ہے پھاگن کی مستی نے تن من

کوئی کیسے اپنی اُمنگوں کو روکے

ہر اک دل کو دیتا ہے موسم ٹھوکے

کچھ اس طرح سے ہولی کھیلو کھلاؤ
دلوں سے عداوت کے نقشے مٹاؤ
نہ آنسو بہیں اس طرح گُد گُداؤ

غرض ہیج شیل اور دنیا میں چمکے
نظر ساری دنیا کی رہ جائے جمکے

سنی اور سنائی بہت مست بولی
جو ہونا تھا بس ہو چکی سب ٹھٹھولی
وطن کے لئے کھاؤ سینے پہ گولی
بڑھو کھیلتے خون دشمن سے ہولی

اگر زندہ رہنا تو پر ہلاد بنکر
ارادوں کی شمشیر فولاد بنکر

جو کانٹے چھپے تھے وہ ہیں صاف ظاہر
ہر اک سمت بدلے ہوئے ہیں مناظر

گلستاں سے باہر گلستاں کی خاطر
نئی سازشوں میں ہیں مصروف شاطر
مٹانا ہے دشمن کو ہشیار رہنا
خزاؤں کے حملوں سے ہشیار رہنا
چراغ ایک روشن ہے اپنا جواہر
ضیا جس کی پھیلی ہے بھارت سے باہر
یہی آج ہے امن عالم کا رہبر
خدا اور رحمت کو برسائے اس پر
بہے جب تلک گنگا جمنا کا دھارا
چمکتا رہے ہند کا یہ ستارا

ہولی

ہولی کا رنگ دیکھ کے رنگت بدل گئی
ہر ایک شکل رنگِ جوانی میں ڈھل گئی

لفظوں میں دل کی بات کچھ اس طرح ڈھل گئی
میری زباں سے ان کی زباں تک غزل گئی

موسم کے ساتھ ساتھ طبیعت بدل گئی
پھر زندگی شباب کے سانچے میں ڈھل گئی

ڈوبے ہوئے ہیں سب ہی محبت کے رنگ میں
نفرت دلوں کی آگ میں ہولی کے جل گئی

مورت بنے ہوئے ہو گلال اور عبیر کی
لگ جاؤ اب گلے سے طبیعت مچل گئی

ہنس کر مجھے جواب محبت تو دیجیے
ڈالا ذرا سا رنگ تو تیوری بدل گئی

پچکاریوں سے رنگ اڑا بنگیا شراب
چھینٹیں پڑیں تو پھر دل سے مستی ابل گئی

دل کی امنگ جاگ اٹھی مستیوں کیساتھ
بچپن گذر گیا نہ جوانی نکل گئی

پچکاری چھوڑنے کو وہ ہنستے ہوئے بڑھے
میں چپ رہا نظر کی مگر چوٹ چل گئی

یہ پورنیما کے چاند سے چھلکی ہوئی شراب
دل کی پیالیوں میں بھری اور ابل گئی

چھوڑیں وہ مجھ پہ رنگ یہ روشن ہیں میرا نصیب
ان کی ادا تو چال قیامت کی چلی گئی

پھاگن کی مستیوں نے بھری دل میں وہ امنگ
ہنس کر حیات غم کی حدوں سے نکل گئی

"بسنت"

سبزہ لہک رہا ہے گلشن مہک رہا ہے
کلیاں چٹک رہی ہیں بھنورا بہک رہا ہے

دھانی شباب امڈا دھرتی کے بانکپن پر
نکھری عروسِ فطرت کچھ اور بن سنور کر
سرسوں کے کھیت جھومے تارے گگن کے چمکے
شاخِ زمردیں میں سونے کے پھول مہکے

پھولوں سے رنگ و بو کی اٹھتی ہوئی جوانی
ہر دل کو دے رہی ہے پیغام شادمانی
شاخوں کو مست جھونکے جھولا جھلا رہے ہیں
پھولوں کے پاس بھونرے کچھ گنگنا رہے ہیں

دل کی امنگ جاگی چھانے لگی جوانی
کوئل نے چھیڑ دی ہے بھولی ہوئی کہانی

آموں کے بور مہکے دل مست ہو کے جھومے
بچے بھی شوخیوں سے کوئل کے ساتھ کوکے

پھولوں کا تاج پہنے ہیں سبزہ زار نازاں
لہرا رہے ہیں ہر سو دھرتی کے دل کے ارماں

دوشیزگان دہقاں اپنے گھروں سے چھلکیں
پہنے بسنتی ساری کھیتوں میں آکے چہکیں

رنگین تتلیوں سے جان آگئی فضا میں
ٹکڑے دھنک کے ہر سو لہرا گئے ہوا میں

ویرانیوں نے پایا ساماں دلکشی کا
لائی بسنت لائی پیغام زندگی کا

گرمی سے برف گل کر لہروں میں ڈھل گئی ہے
چاندی پگھل پگھل کر جھرنوں سے بہہ رہی ہے

چین آرہا ہے دل کو مستی سی چھا رہی ہے
فطرت کی لوریوں سے اب نیند آرہی ہے

نیچر کی بستیوں سے انساں کی بستیوں تک
جائے بلندیوں سے اب کون پستیوں تک

کہہ دو غمِ جہاں سے شعلوں کو تیز کر لے
جب تک حریفِ دوراں امرت سے دل کو بھر لے

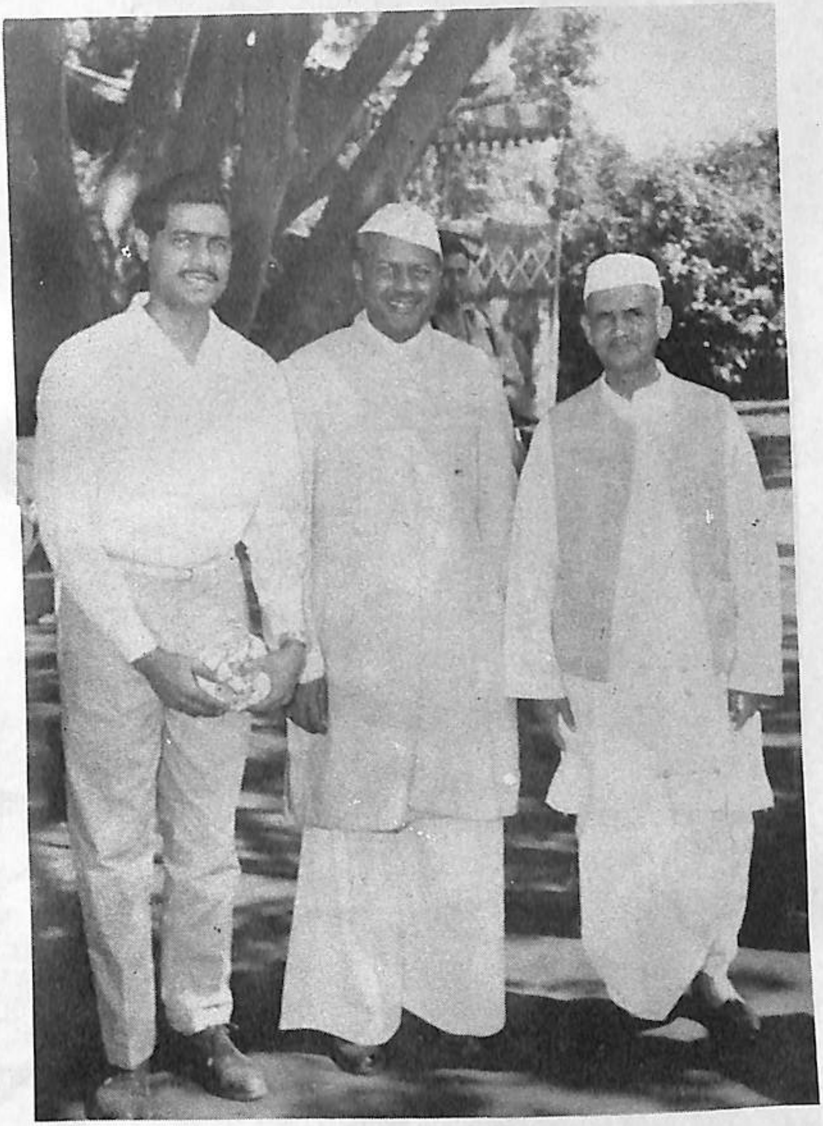
یہ محویت کا عالم فطرت کی دلکشی میں
اک وقفۂ سکوں ہے پیکارِ زندگی میں

تعارف

جناب روشن علی خاں صاحب روشن بنارسی خلف الرشید عاشق حسین خاں صاحب بنارس کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے ریلوے کی ملازمت سی سی ایم کے دفتر سابق ایسٹ انڈیا ریلوے منٹ ہاوس بنارس کینٹ جو کہ اب ناردن ریلوے آفس کہلاتا ہے سنہ ۱۹۴۲ء میں شروع کی تھی۔ اور آج بھی آپ اسی دفتر میں ملازمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی عمر ۴۳ سال ہے۔ آپ کو شاعری کا شوق ہے اور گذشتہ ۲۰ سال سے نظمیں اور غزلیں کہتے رہے ہیں۔ جس کی عمدہ مثال یہ نظم "کاروانِ وطن" ہے جس کو موصوف نے ریلوے سفتہ کے سلسلہ میں فرمائی۔ یہ نظم ۱۶ر اپریل سنہ ۱۹۵۲ء کو نئی دہلی اسٹیشن پر ریلوے ہفتہ کے ایک خاص جلسہ میں پڑھی۔ جس کی صدارت صدر جمہوریہ ہند جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب نے فرمائی۔

(پرکھندر سنگھ)
پبلک ریلیشن آفیسر
ناردن ریلوے
ہیڈ کوارٹر آفس نئی دہلی





"کاروانِ وطن"

وہ دن بھی تھے کہ جب انساں سے دور تھا انساں
الگ الگ تھا تمدن جدا جدا تھی زباں

جہاں تھی گھُٹ کے وہیں رہ گئی بہارِ نسیم
گئی چمن سے نہ باہر کہیں گلوں کی شمیم

لرز لرز کے وطن سے قدم نکلتا تھا
سفر کے نام سے انساں کا دل دہلتا تھا

ذرا جو قافلے بھٹکے تو کھو گئی منزل
سفینہ کیا کہ طوفان میں آ گئے ساحل

سفر کے نام سے خطرہ میں جان و مال رہے
عجیب دور تھا انساں تباہ حال رہے

زہے نصیب کہ وہ دن بھی آگیا روشن
چلی جو ریل تو ہونے لگا سب ایک وطن

کہیں وبا اٹھی، سیلاب آئے، کال پڑے
مدد کو چل پڑا انسان گوشے گوشے سے
کبھی تو حملے کا خطرہ ہوا اپنی سرحد پر
صف آرا کر دیے جوانانِ ملک کو لا کر
ہمالیہ پہ بہاروں نے لی جو انگڑائی
دکن کی سمت ہوا کاشمیر کی آئی[1]
نہ جان و مال کا خطرہ تھا اب نہ خوفِ سفر
کہ ہر سفر تھا حکومت کی ذمہ داری پر
یہی تو اپنی ترقی کا پہلا زینہ تھا
نہاں تھیں وسعتیں جس میں یہ وہ خزینہ تھا
ابھی تھی تشنۂ تعبیر خواب کی منزل
کہ بچپنے سے تھی آگے شباب[2] کی منزل

نوٹ:-

۱ کاشمیر کے تازہ سیب اور دوسرے پھل کنیا کماری وغیرہ شہروں میں بھی دستیاب ہوتے ہیں۔

۲ تعمیر و ترقی کا وہ دور جو آزادیٔ ہند کے بعد سے شروع ہوا۔

مگر جو غیر کے ہاتھوں سے کام ہو نہ سکا
وہ کام اپنے ہی ہاتھوں تمام ہونا تھا
وہ ہاتھ جن کو غلامی نے باندھ رکھا تھا
کمال نے انہیں ہاتھوں کو بڑھ کے چوم لیا
قدم قدم پہ کھلے کارخانۂ صنعت
ترقی یافتہ ملکوں کو ہو گئی حیرت
زمینِ ہند پہ ریلوں کے جال پھیل گئے
ترقیاں لئے روشن خیال پھیل گئے
ہوئی وطن میں نئے انجنوں کی تیاری
صدا سے جن کی بڑھی اور دل کی بیداری
جب اپنی رَو میں یہ طوفان گنگناتے ہیں
نئی امنگ نئے عزم جاگ جاتے ہیں
زبان شعر کی رنگینیوں میں ڈھل کے رہا
نصیب دیکھئے فولاد اور کوئیلے کا،

جواب محلوں کے اب سرد و گرم دفتر ہیں
ملازمین بھی نواب کے برابر ہیں
سجا ہے بزم کی صورت ہر ایک اسٹیشن
کہ جن کو دیکھ کے کرتی ہے رشک سب نشین
سجے محل کی طرح ریل کے حسین ڈبے
جو بیٹھے ان میں مسافر نہ گھر کو یاد کرے
چلیں جو تیز، ہوں راہ سفر سے بیکار یں
صدائے گام کبھی پائلوں کی جھنکاریں
جہاں بدلتے ہیں پٹڑی پہ راستہ اپنا
سناتے جاتے ہیں طبلہ کا اک نیا لہرا
وہ عیش وقف تھا جو صرف اہل زر کے لئے
وہ عیش آج ہے جتنا کے ہر سفر کے لئے
اچھوت ہو کہ برہمن ہو یا کہ تخت نشیں
یہ کارواں ہے جہاں تو تیب کا فرق نہیں

مجال کیا جو کوئی مال ہو ادھر سے ادھر
جو کھو بھی جائے کھلا ہے کلیم[۳] کا دفتر

اسی کے فیض سے قائم ہے رونق محفل
یہ ریلوے نہیں اب یہ وطن کی ہے رگ دل

اب ان رگوں کو بنانا ہے اور طاقتور
مگر یہ شرط ہے جتنا سے قوتیں لے کر

وہ قوتیں کہ نہاں جن میں انقلاب کی رو
جو بن چکی ہیں اندھیرے میں آفتاب کی ضو

کرن کرن کو یقیں ہو کہ تیرگی نہ رہی
ہر ایک دل یہ پکارے کہ اب کمی نہ رہی

تقاضا کرتی ہو آزادئ وطن کی سحر
مشین پر ہو جو اک ہاتھ اک میں ہو ساغر

۳۔ کلیمس اینڈ ریفنڈ دفتر

وہ جن دلوں کی حرارت سے ریل چلتی ہے
عطا انہیں بھی ہو آسودگی کی رنگیں مئے

جہاں پہ امن و مسرت کا اک خزانہ ہے
وہاں پہ ریل کی دنیا کو بڑھ کے آنا ہے
مزا جب آئے بنا دیں اس ایک پھول کو باغ
اسی چراغ سے روشن کریں ہزار چراغ
ہمارے گھر کی ضیا دوسروں کے گھر جائے
اندھیری رات کی تقدیر بھی سنور جائے
ضیا سے جن کی نکھر جائے حسنِ مستقبل
خدا کا شکر وطن میں ابھی ہیں ایسے دل
وہ راہ جس کا مہندر کرشن ہے رہبر
ہر ایک کارواں سالار آرہا ہے اُدھر
بنا رہا ہے گھنانند کا یہ حسن نظام
نہ ہوگی ریل کی دنیا میں اب کبھی بھی شام

ہے کون لال بہادر سا مردِ میداں اور
چلے اشارے پہ جس کے ترقیوں کا دور
جواہر ایسا جو دنیا میں بے نظیر بھی ہے
جو ملک و قوم کا معمار بھی وزیر بھی ہے
وہ صدر ہند ہے کہتے ہیں جس کو راجندر
جو دیوتاؤں کے مانند دیوتا منظر
انہیں ضیاؤں سے جمہوریت درخشاں ہے
وطن بھی قسمت روشن پہ آج نازاں ہے

ے۴ جناب مہندر کرشن کول صاحب جنرل مینجر نادرن ریلوے نئی دہلی
ے۵ جناب گھنانند پانڈے صاحب چیرمین ریلوے بورڈ نئی دہلی
ے۶ جناب لال بہادر شاستری صاحب مرکزی وزیر ریلوے نئی دہلی
ے۷ جناب پنڈت جواہر لال نہرو صاحب وزیر اعظم ہند
ے۸ جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب صدر جمہوریہ ہند جن کے ہاتھوں نئی دہلی اسٹیشن کا افتتاح ہوا ؛

"نعرۂ انقلاب"

قدم قدم سے ملے دل سے دل ملا کے چلو
فضا میں پرچم امن و سکوں اڑا کے چلو

جہاں کو پیار سے بھر دو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

بہار خلد سے اس باغ کو سجانا ہے
اندھیری رات کو صبح حسیں بنانا ہے

نئے چراغ جلا دو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

قدم ملا کے جو سورج کے ساتھ چل نہ سکیں
یہ جگمگاتے پھر آکاش پر دیئے نہ چلیں

زمیں کے چاند ستارو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

وہ کارواں نہ رہا ہٹ گیا جو رہبر سے
وہ فوج ختم ہوئی پھر گئی جو افسر سے

تباہیوں میں نہ آؤ قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

زمانہ یاد رکھے کام وہ دکھانا ہے
اجل ہٹا نہ سکے وہ قدم جمانا ہے

حیات ڈھونڈنے والو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

رہے یہ فکر کہ آزادیٔ چمن رہ جائے
تمہاری آن رہے عزت وطن رہ جائے

وطن کے جان نثاؤ قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

لہکتے کھیت بہاروں کی تازگی تم ہو
زمانہ جس سے حسیں ہے وہ دلکشی تم ہو

نسیم صبح کے جھونکو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

ہر ایک سمت سے طوفان اٹھنے والے ہیں
تباہیاں لئے شیطان اٹھنے والے ہیں
نشیمن اپنا بچاؤ قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

ذرا جبیں پہ تمہاری شکن جو پائیں گے
سہم سہم کے یہ طوفان بیٹھ جائیں گے
بس اتحاد بڑھاؤ قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

چمن کے پھول تو کیا خار بھی دعائیں دیں
مدد کے واسطے دشمن تمہیں صدائیں دیں
وہ نظم وضبط دکھاؤ قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

نفس نفس ہو محبت کی زندگی کیلئے
قدم اٹھاؤ زمانہ کی رہبری کیلئے

مرے وطن کے جوانو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

ہر ایک ذرہ جواہر کی شان دکھلائے
وقار ہند کا سارے جہاں پہ چھا جائے

اک انقلاب جگا دو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

کرو حسین دئیے پنج شیل کے روشن
دکھائے جس کی ضیا امن و زندگی کے چلن

زمیں کو خلد بنا دو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

بدل دو جنگ پسند ونکا مفسدانہ نظام
کرو یہ عام رسول السلام کا پیغام

جہاں کو امن سے بھر دو قدم ملا کے چلو
وطن کی شان بڑھاؤ قدم ملا کے چلو

نوٹ:۔ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہندوستان کو اہل عرب نے رسول السلام کا خطاب دیا۔

"آزادی کی دین"

شکل و صورت میں برابر آدمی پیدا ہوئے
کیونکہ ماں "حوا" تھیں سب کی اور آدم باپ تھے

عادتوں میں جانور سے آدمی کچھ کم نہ تھا
علم کی قوت سے لیکن آدمی انساں بنا

دو جہاں قبضہ میں جس کے تھے یہ وہ انساں تھا
سامنے جس کے فرشتوں کا بھی روشن سر جھکا

گر گیا منزل سے اپنی پی کے دولت کی شراب
خود ہوا برباد دنیا کو بھی کر ڈالا خراب

تھا اسی کے واسطے فردوس یہ دنیا کا باغ
اس کے دم سے جگمگائے چاند سورج کے چراغ

آدمی اپنے جنم سے تو نہیں چھوٹا بڑا
صرف کرموں کی کسوٹی سے ہوا کھوٹا کھرا

بھائیوں میں اپنے پیدا کر دیئے جھگڑے نئے
قوم کی شکلوں میں آخر بٹ گئے چھوٹے بڑے

مفلسوں کو عیش کی دنیا سے باہر کر دیا
آدمی کو جانے کتنا آدمی سے بیر تھا

آدمی بڑھتے گئے انسانیت گھٹنے لگی
رفتہ رفتہ زندگی کی روشنی چھٹنے لگی

صاف دل والوں سے کوسوں دور تھا نفرت کا بھوت
جنکے دِل گندے تھے وہ کہنے لگے غیروں کو اچھوت

کچھ عجب انسان کی دنیا میں یہ دستور تھا
کام آئے جو زمانے کے انہیں پیسا گیا

چھوٹی قوموں سے بڑوں کے دل میں اتنی کھوٹ تھی
خدمتوں کا انکی بدلہ ٹھوکروں کی چوٹ تھی

زندگی غیروں کے ٹکڑوں پر بسر کرتے رہے
دوسروں کے واسطے زندہ رہے مرتے رہے

میلے میلے چیتھڑوں میں دلیویوں کی لاج تھی
سانس بھی لینے کی خاطر زندگی محتاج تھی

بچے سو جاتے تھے اکثر کنکروں کے ڈھیر پر
مامتا روتی تھی اے دنیا ترے اندھیر پر

مارے مارے پھر رہے تھے ہر طرف خانہ بدوش
ان ستاروں کی طرف دیکھے کوئی کس کو تھا ہوش

آنکھ میں آنسو تھے لیکن پیٹ میں روٹی نہ تھی
اس قدر مظلوم تھے ہمت مگر چھوٹی نہ تھی

خون سے مزدور کے کھیتوں میں آتی تھی بہار
یہ تڑپتے تھے مزے کرتے تھے لیکن مالدار

خود غرض چالاک سرمایہ پرستوں کا نظام
مدتوں سے ان غریبوں کو بنائے تھا غلام

فائدہ ہوتا رہے اپنا، کوئی جیئے مرے
آڑ لے کر دھرم کی، جو دل میں آیا کر گئے

علم کے سورج کی دل تک روشنی آنے نہ دی
دید اور گیتا سے کچھ بھی زندگی پانے نہ دی

رات کی ناگن ستاروں کا لہو پیتی رہی
آسرے پر صبح کے انسانیت جیتی رہی

لو سحر کی گود میں چمکا سنہرا آفتاب
آج پورا ہو گیا بھارت کی آزادی کا خواب

شان سے باپو نے لہرائی ترنگے کی دھنک
بن گئی ہر قوم باعزت جو کل تک تھی تُنک

روند کر دنیا نے کر ڈالا جنہیں بالکل خراب
آج ان برباد قوموں پر ہے فولادی شباب

اب نظر آیا ہے مطلب دیس میں سوراج کا
یہ نگینے بن گئے جمہوریت کے تاج کا

جو سہولت علم و دولت کی اچھوتوں کو ملی
اس طرح کی ناز برادری نہیں دیکھی کبھی

ایک رستہ پر چلے آئے برہمن اور اچھوت
سب برابر ہو گئے آزاد بھارت کے سپوت

بدلیاں امن و محبت کی یہاں چھانے لگیں
علم و دولت کی بہاریں دوڑ کر آنے لگیں

پتہ پتہ بوٹا بوٹا سب سنوارا جائے گا
نقش جو بھی دب چکا ہے پھر ابھارا جائے گا

ہر برائی دور کرنی ہے جو تھی تقدیر میں
رنگ بھرنا ہے ابھی انسان کی تصویر میں

چل چکی چلنی تھی جو تلوار نسل و رنگ کی
اب گرا دی جائے گی دیوار نسل و رنگ کی

نوٹ :- یہ نظم آزادی کی دین، پوروپرانتی ہریجن مہا سمیلن (مشرقی صوبائی اچھوت اجلاس) کے لئے کہی گئی اور ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۷ء رام لیلا میدان کھدوہی ضلع بنارس میں ہریجنوں کے ایک بڑے جلسہ میں پڑھی گئی - جس کی صدارت جناب سیتا رام جی وزیر محکمہ آب کاری ورسل ورسائل صوبائی حکومت نے کی اور بابو جگجیون رام صاحب وزیر محکمہ ریلویز ہند یونین نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اور عمدہ تقریر بھی فرمائی :

"موت سے لڑتے چلو"

زندگی کے پاسباں ہند کے بانکے جواں

موت سے لڑتے چلو

صبح کے روشن نشاں عہد نو کی داستاں

جانب منزل رواں تم پیام زیست ہو

موت سے لڑتے چلو

شرط پہ ساماں نہ لو غیر کا احساں نہ لو

درد کا درماں نہ لو خود ہی مسیحا بنو

موت سے لڑتے چلو

قوتیں پیدا کرو مٹی کو سونا کرو

خود پہ بھروسہ کرو ملک کو اونچا کرو
موت سے لڑتے چلو

غنچہ و گل خار سے آبجو کہسار سے
فن دل فنکار سے کوششوں سے بڑھ کے لو
موت سے لڑتے چلو

ہند کی آواز ہو ایکتا کا ساز ہو
فتح کا تم راز ہو ویر ہو تم کیوں رکو
موت سے لڑتے چلو

نازش ہندوستان رہبر صد کارواں
امن کی تیغ رواں فتح کی جانب بڑھو
موت سے لڑتے چلو

دیوتا کی دھن ہو تم موت کے ناخن ہو تم
بھیم ہو ارجن ہو تم دشمنوں کو پیس دو
موت سے لڑتے چلو

چھیڑو خونی راگ کو چیر ڈالو ناگ کو
کردو پانی آگ کو ظلم کو بڑھنے نہ دو
موت سے لڑتے چلو

گولوں کی بوچھار میں تیغوں کی جھنکار میں
زخموں کے گلزار میں کھلتے ہنستے بڑھو
موت سے بڑھتے چلو

ہند کی تقدیر میں جنگ میں تعمیر میں
امن کی تصویر میں خونِ دل اپنا بھرو
موت سے لڑتے چلو

ظلم کے طوفان کو وقت کے شیطان کو
دشمن انسان کو برق بن کے پھونک دو
موت سے لڑتے چلو

ملک کی تم شان ہو قوم کی تم جان ہو
آن پہ قربان ہو جینے کی خاطر مرد
موت سے لڑتے چلو

نئی امانت

پیارے پیارے سے بچے ہیں خدا کی نعمت

یہ بھرے گھر کا اجالا ہیں دلوں کی راحت

ملک اور قوم کو بخشی ہوئی دولت یہ ہیں

دھیان رکھو ئے بھارت کی امانت یہ ہیں

ایک ایک پھول چھپائے چمن دامن میں

ذرہ ذرہ ہے لئے حسن وطن دامن میں

باغباں دیکھنا پامال نہ ہو جائے کوئی

تیرے ہوتے ہوئے ایسا نہ ہو مرجھائے کوئی

آج معصوم ہیں کل دیکھنا ان کی سج دھج

ٹمٹماتے ہوئے یہ دیپ بنیں گے سورج

کوئی سوبھاش[1] کوئی امیں[2] جواہر ہوگا

کوئی جانبازی میں عثمان[3] کا ہمسر ہوگا

انمیں ٹیگور[4] بھی آزاد[5] بھی اقبال[6] بھی ہیں
یہی تلوار ہیں بھارت کی۔ یہی ڈھال بھی ہیں

زیور علم سے آراستہ کر دو اِن کو
دیش بھگتی کے بھی احساس سے بھر دو انکو

غور سے دیکھئے آئے گا نظر ان ہیں کمال
بھولے چہرے ہیں لئے لال[7] بہادر کا جلال

ہوگا گاندھی[8] کوئی انمیں تو کوئی راجندر[9]
ساری دنیا کے لئے گیان کا چڑھتا ساگر

اِن سے کتنے ہی امیدوں کے دیئے روشن ہیں
آج بچے ہیں مگر کل کے یہ جگجیون[10] ہیں

کتنے ہی راداھا کرشنن اور ہدایت اللہ
ذیل سنگھ[15] ان میں ابھر ینگے دکھاتے جلوہ

[15] ہندوستان کی سب سے مختصر اقلیت کے نمائیدے جو صدر جمہوریہ ہیں۔

یہ ابھرنے کو ہیں ارجن[11] کی جوانی بنکر
رو میں بڑھنے کو ہیں گنگا کی روانی بنکر
پائیگا ذاکر[12] و جگدیش[13] کی کوئی شہرت
کوئی چمکے گا رفیع[14] اور لتا[15] کی صورت

پھول سے چہروں کے تیور کو کوئی کیا سمجھے
اندرا گاندھی[16] کے انداز لئے ہیں کتنے
راہ میں ٹھوکریں کھائیں گے سنبھلنے کے لئے
ڈوب کے پھر سے یہ سورج کسطرح نکلینگے

قوم اور ذات کا کچھ فرق نہ رہنے پائے
ہم وطن بھائی ہیں سب دل میں یہ ہی رہ جائے
ایک دل ایک نظر ہو کے جدھر اٹھینگے
دشمنوں کے نہ کبھی بھول کے سر اٹھینگے

نام اس دور حکومت کا دو بالا ہو گا
انہیں کرنوں سے زمانے میں اجالا ہو گا

ڈھال دو انکو ترقی کے حسین سانچے میں
زندگی پھونک دو بھارت کے نئے ڈھانچے میں

نوٹ :- ۱ سوبھاش چندر بوس ۲ پنڈت جواہرلال نہرو ۳ بریگیڈیر عثمان ۴ رابندر ناتھ ٹیگور ۵ مولانا ابوالکلام آزاد اور چندر شیکھر آزاد ۶ علامہ سر محمد اقبال ۷ شری لال بہادر شاستری ۸ مہاتما گاندھی ۹ ڈاکٹر راجندر پرشاد پہلے صدر جمہوریہ ہند۔ ۱۰ جگ جیون رام۔

۱۱ ارجن مہارت کا ہیرو ۱۲ ڈاکٹر ذاکر حسین

صدر جمہوریہ ہند ۱۳ سر جگدیش چندر بوس ۱۴ محمد رفیع

مشہور فلمی گلوکار موسیقی کا جادوگر۔ ۱۵ لتا منگیشکر مشہور فلمی گائیکہ

موسیقی کی جادوگرنی۔ ۱۶ شریمتی اندرا گاندھی وزیراعظم

ہندوستان۔

رادھا کرشن ہندوستان کے عظیم فلسفی اور صدر جمہوریہ ہند
ہدایت اللہ (چیف جسٹس) نائب صدر جمہوریہ ہند

تعارف

جناب روشن علی خاں صاحب روشن بنارسی ہندوستان کے ان مخصوص نامور شعرا میں سے ایک ہیں جن کے ادبی شاہکار وطن سے بے پناہ محبت اور اس کے حسنِ دلکشی کا آئینہ دار ہیں۔ آپ کے اشعار سائنس کے اس دورِ ترقی میں نئے بھارت کے تعمیری پروگراموں کا وہ رنگین البم ہیں جن کو دیکھ کر عوام کے دلوں میں احساس آزادی کے ساتھ ساتھ ترقی کی منزلوں کی طرف تیزی سے قدم بڑھانے کا جذبہ بیدار ہونے لگتا ہے۔

آپ سی سی ایس آفس ان ریلوے بنارس کینٹ کے نہایت معتبر اور لائق ملازم ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں نئی دہلی اسٹیشن پر ریلوے ویک کے جلسہ میں آپ کی نظم 'کاروانِ وطن' بہت مقبول ہو چکی ہے۔

ہم آج پھر بڑے فخر کے ساتھ اپنے ہونہار شاعر کا تازہ شاہکار 'نبض گیتی' ۱۹۵۸ء کے ریلوے ویک کے سلسلہ میں پیش کر کے ریلوے کی دنیا سے عوام کا میل جول اور محبت بڑھانے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

دستخط:-

پبلک ریلیشنز آفیسر
ناردن ریلوے (نئی دہلی)

نبضِ گیتی

صبحِ آزادیٔ بھارت کی ضیا پھیل گئی
گوشے گوشے میں ترقی کی فضا پھیل گئی

ذرّہ ذرّہ سے ستاروں کی چمک پیدا ہے
خارِ گلشن سے بھی پھولوں کی مہک پیدا ہے

ہر طرف باغ میں چھائی ہوئی بیداری ہے
انقلابات کے ہاتھوں کی یہ گلکاری ہے

کارخانے کہیں نہریں کہیں دفتر کی بہار
چمنِ ہند کا قائم انہیں پھولوں سے وقار

ہر قدم دیش کی بڑھتی ہوئی تعمیریں ہیں
ریل کی لائنیں تقدیر کی تحریریں ہیں

شان دھرتی کی ہو کیونکر نہ فلک سے بہتر
کہکشاں دوڑتی پھرتی ہے زمیں کے اوپر

نبضِ گیتی ہے یہی ریل یہی جانِ وطن
اسکے قدموں کی صدا قوم کے دل کی دھڑکن

آج دنیا میں ترقی کا سہارا ہے یہی
زندہ قوموں کے مقدّر کا ستارہ ہے یہی

قابلِ دید ہے آئینہ حُسنِ وطن
اس سے خود دورِ ترقی نے بھی سیکھا ہے چلن

اشرفی جس سے اُگے وہ ہے یہ لوہے کی زمیں
چلتا پھرتا ہوا ٹکسال ہے یہ ریل نہیں

ہند جب ہے کہ ہوا قیدِ غلامی سے بری
یہ بھی سج دھج کے بنی ہے دلہن آزادی کی

سینہ تانے ہوئے اس طرح بڑھاتی ہے قدم
جیسے دوشیزہ جوانی میں مچاتی ہے اُدھم

بال بکھرائے دھوئیں کے جو یہ چلتی ہے حسیں
ڈر لگا ہے نظر اس کو نہ لگ جائے کہیں

رات میں دور سے کیا حسن یہ دکھلاتی ہے
دیپ مالا ہے کہ گنگا میں بہی جاتی ہے

تیز چلنے کی صدا میں ہے عجب لطفِ بہار[۲]
جیسے بجتے[۱] ہوں رو[۳]سی اور ولایت[۴] کے ستار

بین کے ساتھ بڑھے جس طرح طبلہ کی لے
گھونگر و باندھے ہوئے یا کہ پری رقص میں ہے

راہ میں چلتی ہے طوفانِ بلا کی صورت
اپنی منزل پہ پہنچتی ہے صدا کی صورت

یوں سرنگوں میں یہ جاتی ہے کہ اژدر جائے
منزلیں لوٹ کے گاتا ہوا لشکر جائے

سر پہ چڑھتی ہے پہاڑوں کی یہ توسن بنکر
سبزہ زاروں سے گذر جاتی ہے ناگن بنکر

خدمتِ خلق کرے بس یہ ہے عادت اسکی
مستقل ایک روشِ چلنا ہے فطرت اسکی

لاکھ طوفان ہوں بے خوف و خطر جاتی ہے
دشت تو دشت ہیں دریا سے گزر جاتی ہے

اپنی منزل پہ مسافر کی امیدیں بن کر
جب بھی آتی ہے تو لے کر نئے پیغامِ سفر
کتنے ارماں بھرے دل کی خبر لاتی ہے
دھوم سے آتی ہے جیسے کہ برات آتی ہے

ہر سفر جبکہ جہنم تھا وہ دن بیت گئے
لطفِ جنّت ملے جو کوئی سفر آج کرے
یہ سبھی بوگیاں، آرام و سکوں کی دنیا
چلتے پھرتے ہوئے شاہوں کے محل ہیں گویا

لکھنؤ میں جو کوئی سوئے تو کاشی میں اٹھے
دیکھ کر شامِ اودھ صبحِ بنارس دیکھے
یہ صفائی یہ سجاوٹ یہ ترقی کا چلن
شہرِ پیرس نظر آتا ہے ہر اک اسٹیشن

صاف و آراستہ ہوٹل یہ سجے ویٹنگ روم
جگمگاہٹ سے ہے دیوالی کے تہوار کی دھوم

ہر گھڑی کام میں انسان لگا رہتا ہے
رات ہوتی ہی نہیں جس میں یہ وہ دنیا ہے

جبکہ چھٹی میں سب آزاد نظر آتے ہیں
کرمچاری یہاں سیوا ہی کئے جاتے ہیں

شور، غل، بھیڑ یہ ہے میلے کا منظر جیسے
دھوم دھام ایسی کہ شادی کا بھرا گھر جیسے

خوانچے والوں کی آواز کہیں چیخ پکار
ہے کسی جا پہ مسافر سے قلی کی تکرار

بے ٹکٹ کوئی گرفتار ہے شرماتا ہے
مست ہے کوئی بھجن کوئی غزل گاتا ہے

توند والے کہیں باندھے ہوئے زر پھرتے ہیں
جیب کترے بھی لئے اپنا ہنر پھرتے ہیں

کہیں اترے ہوئے جھرنے کہیں جھرونکے نکھار
جھیتڑوں میں کوئی لپٹا ہے کسی گل پہ بہار

منچلے بھورے بھی عادت سے ہیں اپنی مجبور
دور سے دوڑ کے آجاتے ہیں پھولوں کے حضور

آنکھ ہر ایک مسافر کی ہے سگنل سے لگی
آرزو دل میں ہے منزل سے گلے ملنے کی

اس جگہ کا ہے وہی حال جو دنیا کا ہے
کوئی آتا ہے یہاں سے تو کوئی جاتا ہے

زندگی ایک سفر، موت ہے منزل جس کی
کس کو معلوم کہاں کس کی اجل آئے گی

قحط و سیلاب ہر اک سال دکھاتے ہیں اثر
موٹروں اور جہازوں سے بھی مرتے ہیں بشر

کون ہے جس کو نہیں حادثے پیش آتے ہیں
ریل کے حادثے بدنام کیے جاتے ہیں

جبکہ تقدیر ہزاروں کی بگڑ جاتی ہے
تب کہیں ریل کسی ریل سے ٹکراتی ہے

ہاں یہی حادثے تعمیر کی دیتے ہیں خبر
ملک اور قوم کو لاتے ہیں نئی راہوں پر

کوششیں ہوتی ہیں تقدیر بنانے کے لئے
ایک اجڑی ہوئی بستی کو بسانے کے لئے

پھر سے مرجھائے ہوئے دل کا کنول کھلتا ہے
اپنے نقصان کا ہر اک کو عوض ملتا ہے

ہر طرح ساری امانت کی حفاظت کر کے
ریل کی ساکھ بڑھا دی ہے کلیم آفس نے

ریل بجلی کی چلی ہند کی قسمت چمکی
اس ترقی کی طرف آنکھ اٹھی عالم کی

نئی راہوں میں بنا ڈالے نئے اسٹیشن
کتنے ویران مقاموں کو بنایا گلشن

کارخانوں میں جو فولاد نے تیور بدلے
نئی بوگی، نئے ویگن، نئے انجن دوڑے
ہو سکا جو کیا جنتا کی محبّت کے لئے
زندگی دوڑ کے لائے نئے بھارت کے لئے
ملک تو آگے بڑھا میل کی رفتار کے ساتھ
قوم بھی کاش چلے ریل کی رفتار کے ساتھ
ایک دل ایک نظر ہو کے اٹھائیں جو قدم
سامنے ہند کے جھک جائے یہ سارا عالم
دشمن ہند ترقی کے لئے ترسے گا
کچھ دنوں میں یہاں آکاش سے ہن برسے گا
محکمہ ریل کا اب ایسی حکومت ہے جہاں
زندگی امن و مسرّت سے گذارے انساں
محلوں کی طرح کواٹر ہیں ملازم کے لئے
حق جو حاکم کیلئے ہے وہی خادم کے لئے

کواپریٹو کی مدد سے ہیں ملازم خوش حال
ویلفیر نے بھی بچھایا ہے بھلائی کا جال
کھیل، تفریح، کلب گھر میں مزا یہ پایا
بچے بن جانے کا بوڑھوں کو بھی ارمان ہوا

مفت ملتی ہے دوا مفت میں ہوتا ہے علاج
عیش کیونکر نہ یہاں ہو کہ یہ ہے ریل کا راج
اسپتالوں میں یہ آرام کی صورت دیکھی
تندرستوں کو ہوئی آرزو بیماری کی

کچھ تو تنخواہ بڑھا دی ہے گذر کرنے کو
پاس بھی بخش دیئے مفت سفر کرنے کو
گو بظاہر بہت آرام نظر آتا ہے
چٹکیاں لیتا ہوا وقت گزر جاتا ہے

بگڑی حالت جو کبھی گھر کی نظر آتی ہے
زندگی فکر میں بے کیف گزر جاتی ہے

تجھ سے شکوہ ہے، نہیں پیاس بجھی اے ساقی
جام بھر دے کہ نہ رہ جائے ہوس بھی باقی

کرمچاری کے لئے جتنی سہولت ہوگی
ریل سے اتنی ہی جنتا کو بھی راحت ہوگی

جائزہ اپنی ترقی کا ہے یہ "ریلوے ویک"
شوقِ تعمیر کو ملتی ہے اسی سے تحریک

عام جنتا سے تعلق کا ذریعہ ہے یہی
ہم خیال اپنا بنانے کا وسیلہ ہے یہی

مشورہ کرنا ہے کچھ اور ترقی کے لئے
کچھ جلانا ہیں ابھی اور محبت کے دیئے

فائدہ ملک کا جس سے ہو کمائی ہے وہی
جس سے جنتا کی بھلائی ہو بھلائی ہے وہی

کوئی شے دیش کی بیکار نہ جانے پائے
کارخانوں کا دھواں ابرِ کرم بن جائے

یہ زمیں کیا ہے مزاجِ بت کہ پربت جھومے
ریل کی جیسے ہو یہ کہتا ہوا کہسار جھومے
دوستو! نبضِ گیتی وطن چلتی ہے چلتی جائے
کچھ بھی ہو جائے مگر ریل نہ رکنے پائے

زندگی چونک پڑے ایسی صدا دیتا ہوں
قوم کی قسمتِ خوابیدہ جگا دیتا ہوں
ایک اک ذرّہ کی ملتی ہے مرے دل کو خبر
مجھ کو ناز اپنے وطن پر ہے وطن کو مجھ پر

اک ملازم ہوں مگر شاعرِ بیدار بھی ہوں
نازِ تصویر کو جس پہ ہو وہ فنکار بھی ہوں
جوش میں آ کے طبیعت نے قیامت کر دی
کوئلے لوہے کی باتوں میں نزاکت بھر دی

بھیم وارجن کی جوانی مرے اشعار میں ہے
گنگا جمنا کی روانی مرے اشعار میں ہے

دامنِ شعر میں کاشی کی سحر لایا ہوں
قدردانوں کے لئے لعل و گہر لایا ہوں

آبرو رکھ لے مری اے مرے رب اکبر
جوہری کی ہے نظر آج مرے ہیروں پر

جوہری کون ہے؟ وہی ریل کی دنیا کا وزیر
حسنِ اخلاق و محبت کی مکمل تصویر

کتنے روندے ہوئے انساں کا سہارا ہے وہ
جگمگاتا ہوا بھارت کا ستارا ہے وہ

کام غیروں کے بھی آتا ہے وہ ایسا دھن ہے
ریل ہی کا نہیں جیون ہے، وہ جگجیون ہے

قدردانی کے لئے فن کی بڑھایا جب ہاتھ
عہدے بخشے ہیں بڑے قیمتی انعام کے ساتھ

جانفشانی کا ہماری بھی ثمر مل جائے
آج روشن کی امیدوں کا چمن کھل جائے

’للکار‘

شاعرِ شیریں بیاں فکرِ قلم کو موڑ دے
زلف و رخسارِ بتاں کی داستانیں چھوڑ دے
جنبشِ نوکِ قلم سے جام و مینا توڑ دے
ہستیٔ فانی حیاتِ جاوداں سے جوڑ دے

زندہ رہنے کے لئے قربانیاں درکار ہیں
جو نہ کام آئیں وطن کے وہ ہنر بے کار ہیں

زدِ طوفانِ خزاں کی زد پہ ہے سارا چمن
آزمائش میں پڑا ہے زندگی کا بانکپن
پھر تقاضا کر رہی ہے وادیٔ گنگ و جمن
ہاں دکھا فکر و عمل سے زندہ رہنے کا چلن

خون کے بدلے رگوں میں آگ کا دریا بہا
قوم کے ہر فرد کو ٹیپو بنا ارجن بنا

اپنی آزادی و عزت زندہ رہنے کا سوال
فتح کا دل میں یقین بھارت کی عظمت کا خیال
دشمنوں کے چھکے چھوٹ جائیں دکھا دو وہ کمال
ہر طرح دنیا میں بیداری کی قائم ہو مثال

یہ قلم اب صور اسرافیل کا ہمرنگ ہو
تیغ جوہر دار بھی ہو ہاتھ میں اور جنگ ہو
دشمنوں کو آہنی دیوار بنکر روک لو
نام کر لو کھیل جاؤ جان پر اے دوستو

گولیوں سے چھلنی ہو سینہ مگر بڑھتے رہو
خون سے لکھو تیئے بھارت کی اس تاریخ کو
جرأت و ہمت کے افسانے بنائے جائینگے
آج کیا کل بھی تمہارے گیت گائے جائینگے

باندھ کر نکلو کفن سر سے کہ ہو جرأت میں فرد
خون کی چھینٹوں سے کر دو جنگ کے شعلوں کو سرد

مثل طوفاں یوں بڑھو فوج عدو ہو جائے گرد
دو شکست ایسی نہ جائے چینیوں کے دل سے درد
ٹھنڈی ٹھنڈی آہ کی آواز جائے دور دور
ٹھوکروں سے توڑ دو چینی کھلونوں کا غرور

پر خطر جنگل بلند و پست راہ کوہسار
گھن گرج توپوں کی بارش گولیوں کی بےشمار
جنگ کے بھڑکے ہوئے شعلے فضائیں پُر غبار
امن و آزادی کے دیوانوں کو ہے لطف بہار
لوگ اب دیکھیں گے سورج ہند کا چڑھتا ہوا
موت سے بھی رک نہیں سکتا قدم بڑھتا ہوا

زرد شیطانوں کا حملہ امن کی جنت پہ ہے
یہ ہمالیہ پر نہیں ہے عظمت بھارت پہ ہے
دیکھنا ہے ناز کتنا ظلم کر طاقت پہ ہے
اس طرف بھی حوصلہ مرنے کا اب شدت پہ ہے

کچھ بھی ہو جائے وطن کی شان جا سکتی نہیں
جان جا سکتی ہے لیکن آن جا سکتی نہیں

اک طرف تعمیر بھارت دوسری جانب ہے جنگ
کشمکش کے دور میں اللہ رے بیداری کا ڈھنگ

اک جواہر کی صدا پر جان دینے کی امنگ
کس قدر دلکش ہے روشن قومی یکجہتی کا رنگ

اس چمن کے پھول کی ہر پنکھڑی تلوار ہے
بچہ بچہ سرفروشی کے لئے تیار ہے

پ ہِ ے ل ی

بوجھو بجھو ایک پہیلی ہے نازک جیسے جوہی چنبیلی ہے سبکی پیاری سبکی سہیلی

بوجھو بجھو ایک پہیلی

روپ ہے کالا نار البیلی — جیسے دولہن نئی نویلی
بھارت ماں کی پیاری چیلی — چھم چھم ناچے بن میں اکیلی
سب کی پیاری سب کی سہیلی — بوجھو بجھو ایک پہیلی
پورب پچھم اتر دکھن — بھاگے جیسے اڑتی ناگن
رات کو بھی وہ کرتی ہے دِن — طبلہ بجاتی تاکدِ نادِھن
بوجھو بجھو ایک پہیلی — ٹھیلہ ہے وہ اور نہ ٹھیلی
سینہ میں دہکے انگارے — سانس جو لے چھوٹیں فوارے
جھلمل جھلمل سا کچھ نکھارے — ساتھ لئے چلتی ہے ستارے

بوجھو بجھو ایک پہیلی

انساں لادے ہاتھی لادے — پیٹھ پہ دنیا لاد کے بھاگے
چلے تو دھرتی کا دل دھڑکے — بولے جیسے بجلی کڑکے

بوجھو بجھو ایک پہیلی

کھیل بنا کے بچے کھیلیں — بازاروں سے چاہیں لے لیں
اس پر بیٹھیں پیسے دے لیں — نہیں تو بھیا کھیل ہی کھیلیں
ڈھیلا ہے وہ اور نہ ہٹھیلی — بوجھو بجھو ایک پہیلی

بڑھیا ہے سنو پرسوں والی — چھائی ہوئی ہے جیسے جوانی
حقہ پیتی دھواں اڑاتی — چلتی ہے بڑھیا متوالی
سب کی پیاری سب کی سہیلی — بوجھو بجھو ایک پہیلی

لال ہرے رنگین اشارے — اسکو جیون سے ہیں پیارے
مڑ کے نہ دیکھے کوئی پکارے — مات ادائیں فلمی ستارے
بوجھو بجھو ایک پہیلی

ہے تو یہ فولاد کی بیٹی — کوئلہ کھاتی سونا اگاتی
ملک ترقی کی شہزادی — جسکا ہے سنسار آبھاری
بوجھو بجھو ایک پہیلی

سیتا پتی بھی اور سیتا بھی — جس کی عاشق ہے جنتا بھی
جگ سیوا جس کی سیوا بھی — جسکی سیوا دے میوا بھی
سب کی پیاری سب کی سہیلی — بوجھو بجھو ایک پہیلی

"ترانۂ شباب"

(برائے مجاہدینِ آزادی، ایران)

قدم بن کے رہبر بڑھاتا چلا جا
دلوں سے دلوں کو ملاتا چلا جا

پیامِ محبت سناتا چلا جا
ہر ایک ظلم بیجا مٹاتا چلا جا

کرم بن کے دنیا پہ چھاتا چلا جا
زمانہ کو اپنا بناتا چلا جا

اگر راس آئیں نہ تجھ کو فضائیں
زمانہ ہو دشمن مخالف ہوائیں

حوادث پہ قبضہ جماتا چلا جا
کٹھن سے کٹھن وقت آئے تو آئے

مگر قوتِ صبر جانے نہ پائے
مصائب سے آنکھیں ملاتا چلا جا

قدم عزم راسخ کے رکھ وہ زمیں پر
ملائک دہل جائیں عرشِ بریں پر
جلالت کے سکے بٹھاتا چلا جا

گرجتی ہوں توپیں برستے ہوں گولے
قضا اژدہے کی طرح منہ ہو کھولے
عزائم کے پرچم اڑاتا چلا جا

زمانہ ہے تجھ کو مٹانے پہ مائل
مگر تو ہے اپنی شجاعت کا قائل
شجاعت کے جوہر دکھاتا چلا جا

وہ کروٹ بدل اہلِ گیتی ہوں ششدر
دکھا انقلابِ زمانہ کے جوہر
نیا ایک طوفاں اٹھاتا چلا جا

لرزتے ہوں سینوں میں جب آہنی دل
ہو پیشِ نظر خون آلودہ منزل

تو شوق شہادت بڑھنا چلا جا

مساوات و ملت کا اک نور پیکر
شہادت کی عظمت حسین ابن حیدر
ترانے شہیدوں کے گاتا چلا جا

تجھے یاد ہیں جنگ حیدر کی باتیں
وہ مرحب کی گھاتیں وہ خیبر کی باتیں
ہر اک قصرِ باطل کو ڈھاتا چلا جا

ترے ہاتھ میں ہے نظامِ اخوت
تو ہے ایک آئینہ حسن فطرت
تماشائے قدرت دکھاتا چلا جا

فرائض پہ مرنا فرائض پہ جینا
یہ ہے آدمی کی بلندی کا زینہ
بلندی کا زینہ بناتا چلا جا

تو جانِ وطن ہے تو گیتی کا جوہر
تری ذات پر ناز تسنیم و کوثر
تو ملت کا دریا بہاتا چلا جا

مجاہد کا جذب وفا چومنے کو
ظفر مضطرب دست و پا چومنے کو
زمیں غاصبوں سے چھڑاتا چلا جا

منافق بکیں گاہ میں ہنس رہے ہیں
خود اپنے بُنے جال میں پھنس رہے ہیں
منافق کی دھجی اڑاتا چلا جا

امام خمینی یہ عزم حسینی
فدا جن پہ ایرانی و کاظمینی
مقلد جہاں کو بناتا چلا جا

ہے مذہب ترا ظلم سے جنگ کرنا
خودی کو مٹانا صداقت پہ مرنا

یہی ایک نغمہ سناتا چلا جا

سمجھ موت کو تو عروس محبت
بنا زندگی شمع راہ حقیقت
صداقت کی راہیں دکھاتا چلا جا

سن اے نوجوان تو اسی کا ہے بیٹا
فرشتوں کو کرنا پڑا جس کو سجدہ
تو سجدہ کی عزت بڑھاتا چلا جا

'کرو قبول شہید و سلام آزادی'

مٹانے والوں کی تدبیر بے اثر نکلی
طویل شب تھی غلامی کی مختصر نکلی
تمہارے خوں کی شفق سے نئی سحر نکلی
تمہارے نام سے روشن ہے نام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

جو سرفروش تم ایسے کہیں پڑے سوتے
نئی امنگ نئے حوصلے کہاں ہوتے
جب آتا وقت وطن پر تو سُورما روتے
مٹا کے خود کو بنے ہو اِمام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

وطن کی راہ میں اس طرح سر دیا تم نے
ہر ایک ذرہ پہ احسان کر دیا تم نے
نئی حیات سے بھارت کو بھر دیا تم نے
کیا ہے کار نمایاں بنام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

جو تم نہیں ہو تمہارا یہاں پیام تو ہے
دلوں میں صفحۂ تاریخ پر مقام تو ہے
نہ کیوں امر ہو کہ زندہ تمہارا نام تو ہے

تمہارے کام سے روشن نظام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

تمہاری یاد میں برسوں رہینگے نم دامن
گلوں کے قافلے لے آئے گی بہار چمن
ہر ایک سال چڑھائیں گے پھول اہلِ وطن
غرض کریں گے سبھی احترام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

تمہارا خون ہے شام اودھ کے روپ کا نور
یہی ہے صبح بنارس کی مانگ کا سیندور
اسی لہو سے وطن میں ہے زندگی کا شعور
اسی لہو سے تو زندہ ہے نام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

ہمارا پرچم قومی ہماری عظمت و شان
ہوا سے کھیلتا لہراتا امن کا داماں

شہیدو تم نے دیا ہے یہ زندگی کا نشاں
اسی نشان سے ہے احترام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

وطن کی شان بڑھانے کا صرف ارماں ہو
وطن سے پیار ہو اور دل میں دردِ انساں ہو
وطن ہی اپنی نگاہوں میں دین و ایماں ہو
لہو سے تم نے لکھا یہ پیام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

یہ عہد کرتے ہیں کھا کر تمہارے خوں کی قسم
کبھی نہ پیچھے ہٹے گے بڑھا کے آگے قدم
سر اپنا دیں گے رکھیں گے مگر وطن کا بھرم
تمہارا قرض ہے ہم پر بنام آزادی
کرو قبول شہید و سلام آزادی

جشنِ جمہوریۂ ہند

پرچم آزادی جمہور لہرانے لگا
زندگی کو آج لطف زندگی آنے لگا

ہے ہمارے ہاتھ میں جمہوریت کی باگ دوڑ
ہم سے قائم ہے وطن کی آبرو قوموں کا زوید

کیوں کسی سے کوئی مجبوری کا اب شکوہ کرے
سامنے غیروں کے آزادی کو یوں رسوا کرے

پہلے خود توڑیں ذرا خودغرضیوں کے خواب کو
روک لینگے بھوک اور افلاس کے سیلاب کو

ہم کو جب اپنی مدد خود آپ کرنا آئے گا
ہاں یہی گلزار فردوس بریں بن جائے گا

مل کے آپس میں رہیں جیسے کہ ہیں گنگ وجمن
ساری دنیا کو سکھانا ہے محبت کا چلن

پیش کرو سامنے دنیا کے بھارت کا سبق
اپنے کیرکٹر سے دے دو آدمیت کا سبق

علم کی دولت بڑھے اتنی نہ ہو کوئی غریب
صنعت و حرفت زراعت میں ترقی ہو نصیب

آڑے وقتوں پر وطن کے بڑھ کے اپنی جان دو
دشمنوں کی چھاتیوں کو گولیوں سے چھان دو

وقت آجائے تو پیچھے ہٹ نہیں سکتے قدم
جان دیکر بھی رکھیں گے اپنے بھارت کا بھرم

آنکھ دکھلائے گا کوئی تیغ چمکائیں گے ہم
دشمنوں پر آگ کی صورت برس جائینگے ہم

جوہر حسن وفا سے کر دو قائم روشنی
موت سے آنکھیں ملا کر چھین لاؤ زندگی

ہر طرح شمعِ شہیدانِ وطن روشن رہے
ہند میں جمہوریت کا بانکپن روشن رہے

دشمنوں کے واسطے طوفان بن نا چاہیے
قوم کے ہر فرد کو عثمانؔ بن نا چاہیے

نوٹ :- محمد عثمان خاں بریگیڈیر جو کاشمیر کی جنگ میں ہندوستان کی افواجِ کی قیادت کرتے ہوئے نہایت دلیرانہ انداز میں شہید ہوئے۔

"گہوارۂ انقلاب"

'عنوانِ نو'

دیکھ ہی لی نگہہِ شوق نے دہلی کی بہار
اک طرف حسن و شباب ایک طرف چند مزار
زندگی اپنی دو' راہے سے گذرتی دیکھی
آسماں بھی نیا دیکھا نئی دھرتی دیکھی
اک طرف چاندنی بکھری ہوئی مہہ پاروں کی
پھول ہنستے ہوئے آغوش میں گلزاروں کی

پیکروں سے وہ امڈتا ہوا رنگین شباب
جام و مینا سے چھلکتی ہوئی جیسے مئے ناب

ٹولیاں دیکھیں ٹہلتے ہوئے سیاروں کی
شمعیں روشن تھیں دہکتے ہوئے رخساروں کی

رقص کرتے ہیں لب پیر پہ اکثر یہ سخن
"آگ پانی میں لگاتی ہے جوانی کی پھبن"

صبح لاتی ہے مسرت کے چھلکتے ساغر
شام دکھلاتی ہے ارمانوں کے نازک پیکر

دامن ابر سے دولت کو برستے دیکھا
یعنی ویران مقامات کو بستے دیکھا

بنگلے آغوش بہاراں میں ہیں اجلے اجلے
سبزہ زاروں میں ہیں جیسے کہ عروسی حجلے

مختصر یہ کہ ہر اک مست مکاں اور مکیں
زندگی گویا ہے فردوس کا اک خواب حسیں

آثار جدید

انڈیا گیٹ کہ تا رتیخ شجاعان وطن
حسن تعمیر ہے دورِ غلامی کی پھبن

سبزہ زاروں میں چھلکتی ہوئی نہروں کا شباب
جگمگاتے ہوئے فواروں سے اڑتی مئے ناب

راج پتھ پر جو یہ ہے لوٹ کلب کا منظر
آئے دن لگتے ہیں ہنگاموں کے میلے اسیر

وایوسینا کا بھون ریل بھون کرشی بھون
ان کے انداز پہ نازاں ہے ترقی کا چلن

گول سنگین عمارت ہے یہ بھارت کا دماغ
اس میں آزادی جمہور کا جلتا ہے چراغ

برلا مندر نے وہ تعمیر حسیں پائی ہے
دیوتاؤں کی یہاں آتما کھنچ آئی ہے

پُرسکوں گاندھی سمادھی کے مناظر کا شباب
چشم بیدار کو آزادی انساں کی کتاب

دورِ تعمیر و ترقی میں جو لایا تھا بہار
شانتی وَن ہے اسی ایک جواہر کا وقار

قابلِ دید ہے یہ مقبرہ صفدر جنگ[1]
نام کر نیکی ہر انسان کو دیتا ہے امنگ

'لودی گلشن'[2] کا ہر اک نقش صدا دیتا ہے
کیا زمانہ تھا پٹھانوں کا پتہ دیتا ہے

گڑیا گھر، بال بھون اور عجائب خانے
بچے بھی دیکھ لیں جنکو تو بنیں فرزانے

دیکھ ہی لی نگہہ شوق نے دہلی کی بہار
ایک طرف حسن و شباب ایک طرف چند مزار

دوسری سمت قیامت کے مناظر دیکھے
یعنی آثار قدیمہ کے عناصر دیکھے

[1] صفدر جنگ سے تعلق رکھتے ہوئے کئی مقامات ہیں مثلاً صفدر جنگ ہوائی اڈا۔ صفدر جنگ اسپتال وغیرہ

[2] لودھی گارڈن

رُخ مدقوق کی زردی ہے جوانی کا نکھار
زندگی یوں ہے پریشاں کہ بیاباں کا غبار
کوئی منزل ہے نہ جادہ نہ کہیں ساتھی ہیں
ہاں مگر گرم سفر بہکے ہوئے راہی ہیں
اترے چہرے ڈھلے شانے یہ غموں کی تصویر
زندگی کا ہے کو ہے ایک مسلسل زنجیر
بے سبب دام مصیبت میں یہاں پھنستے ہیں
دل توڑ دیتا ہے غریبوں کا مگر ہنستے ہیں
جھگیاں جھونپڑے نالوں کے ادھر اور ادھر
کتنے فٹ پاتھ پہ بھی کرتے ہیں دو دو کے بسر
سامنے آئے ہیں ایسے بھی مکاں اور مکیں
چند سکوں پہ جہاں بکتے ہیں اجسام حسیں
قمقموں سے تو منور نظر آتی ہے زمیں
اور تاریک ہے تہذیب کی تابندہ جبیں

جو کہ مشہور ہے گہوارۂ تہذیب و ادب

پایۂ تخت جو ہے اس کا یہ حال ہے عجب

اب نہ اردو ہے نہ اب حسن زباں باقی ہے

ہاں مگر مدفن غالب کا نشاں باقی ہے

دیکھ ہی لی نگہہ شوق نے دہلی کی بہار

اک طرف حسن و شباب ایک طرف چند مزار

ملک تاریخ مسلسل ہے تو عنواں دہلی

عظمت ہند کا ہے تاج درخشاں دہلی

کشور ہند کی تقدیر کا سیارہ ہے

انقلابات مسلسل کا یہ گہوارہ ہے

ایک اسٹیج ہے شاہوں کی اداکاری کا

غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا

اس کی تعمیر کو تخریب نے بخشی ہے جلا

یہ وہی پھول ہے جو باد مخالف سے کھلا

شہر میلوں کا جو کہئے تو بجا ہے دہلی
ساری دنیا کی نمائش سے سجا ہے دہلی

علم سائنس و سیاست کا صنمخانہ ہے
آدمی ہوش میں رہتا ہوا دیوانہ ہے

ساری دنیا کے سفیروں کا مکاں ہے دہلی
وادیِ حسن نگاراں جہاں ہے دہلی

دیکھ ہی لی نگہہ شوق نے دہلی کی بہار
اک طرف حسن و شباب ایک طرف چند مزار

اجنبی دیکھ اگر چشم بصیرت ہو کھلی
شکل میں جامع مسجد کے ہے تاج دہلی

عظمت عہد سلف سامنے آجاتی ہے
اس پہ پڑتے ہی نظر یاد خدا آتی ہے

لال قلعہ سے جو سرخی سی عیاں ہے اب تک
پتھروں سے لہو ماضی کا رواں ہے اب تک

وہ جگہ تھی جو کبھی نازشِ فردوس بریں
لال قلعہ کی انگوٹھی پہ ہے جیسے کا نگیں

اب مکاں رہ گئے باقی نہ زمانے میں مکیں
ڈھل چکا قبر کی صورت میں ہر اک تخت نشیں

گنبدوں سے کوئی آواز جو ٹکراتی ہے
روح بیتاب کی ان میں سے صدا آتی ہے

اجنبی قلعہ معلیٰ تھا یہی نازِ وطن
احترام اس کا کیا کرتے تھے شاہانِ زمن

حوصلہ ہند کی تعمیر کا پلتا تھا یہیں
امن و راحت کا دیا شان سے جلتا تھا یہیں

علم و فن صنعت و حرفت کو ملی تھی معراج
بے مثال آج بھی ہے شاہ جہاں کا اک تاج

جشنِ آزادی پہ تا حشر رہے فضلِ خدا
سرخرو قلعہ کو ہونے کا بہانا تو ملا

آج تک خدمت مخلوق کا باقی ہے اثر
کھنچ کے لوگ آتے ہیں درگاہ نظام الدینؒ پر

قطب مینار بلندی عزم ہے گویا
منجمد ولولۂ فتح و ظفر ہے گویا

مقبرہ شاہ ہمایوں کا نہیں جس کی نظیر
عشق شوہر میں حمیدہ نے کیا تھا تعمیر
گوشے گوشے میں محبت کی ضیا باری ہے
عصمت و عظمت و ایثار کی گلکاری ہے

اجنبی سن در و دیوار چمن سے روداد
اسی روضہ سے پڑی تاج محل کی بنیاد

عہد زریں کا یہی روضہ پتا دیتا ہے
داستاں یوں بھی زمانہ کو سنا دیتا ہے
شیر شاہ سوری نے دی جبکہ ہمایوں کو شکست
اور بیدار بہادر نے لیا ہند کا تخت

بھاگ کر سندھ میں کچھ دیر ہمایوں ٹھہرا
پھر بھروسے کا مددگار وہاں پر پایا
ویر سال ایسا جیری راجہ امرکوٹ کا تھا
حاملہ بیوی کو نگرانی میں جسکی رکھا ۴
ویر سال ایسا نہ تھا کوئی ہمایوں کیلئے
عزت و نسل کا سرمایہ جسے سونپ سکے
خود تو شاہنشہ ایران کے دامن میں رہا
بیوی بچے کو مگر دامن بھارت میں رکھا
شیر شاہ مالک بھارت سے ہراساں نہ ہوا
راجپوت اپنی وفا اور زباں پر ہی رہا
محل رانا میں جنم اکبر اعظم کا ہوا
راجپوتوں ہی میں جو کھیلا کیا اور بڑھا
قومی یکجہتی کی یہ جاگتی جیتی تصویر
مادر ہند کے خوابوں کی سنہری تعبیر

ہند کے تخت حکومت پہ ہوا جلوا گر
دل میں یکجہتی اقوام کا ارماں لے کر

خود پہ ماں باپ پہ رانا کا نہ بھولا احساں
رانا سے منسلک رشتہ کا رکھا ارماں

مختلف زاویۂ فکر کو یکسوئی دی
جودھا بائی سے شہنشاہ نے شادی کر لی

اہل توحید کے سائے میں بتوں کی پوجا
کیا جلوہ تھا یہ حالات کے جادوگر کا

بیربل، ٹوڈر، فیضی، ابوالفضل بھی تھے
نورتن عالم دیں خوش ہوئے اس شادی سے

اکبر و جودھا تن و جاں کی طرح ساتھ رہے
گامزن راہ محبت ہی پہ دن رات رہے

ہندو مسلم کو نئے خون کا رشتہ دیکر
بن گیا دین الٰہی کا نیا پیغمبر

نئی تہذیب کو کھنڈروں سے ملی نو امید
روشن آثار قدیمہ ہیں کہ آثار جدید

مقبرہ شاہ ہمایوں کا نہیں جسکی نظیر
عشق شوہر میں حمیدہ نے کیا تھا تعمیر

عہد زریں کا یہی روضہ پتہ دیتا ہے
داستاں یوں بھی زمانہ کو سنا دیتا ہے

دیکھ ہی لی نگہہ شوق نے دہلی کی بہار
اک طرف حسن و شباب ایک طرف چند مزار

⁂ ⁂ ⁂

'نظم نما گیت'

اُپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں میں مارتے ہو کلہاڑیاں ٹھہرو،

اپنے گھر کو لگا رہے ہو آگ — کیا یہ ہیں عقلمندیاں ٹھہرو

آج کیا جنون چھایا ہے — غصہ بھی ضد کے ساتھ آیا ہے

کتنی محنت سے جانفشانی سے — تم نے اپنے لہو کے پانی سے

اس وطن کو چمن بنایا ہے — زندگی کو دلہن بنایا ہے

یہ سڑک، ریل گاڑیاں یہ بسیں — ملک اور قوم کے بدن کی رگیں

کارخانے یہ کاروبارِ حیات — دفتروں میں یہ فائیلوں کی برات

خوبصورت حسین اسٹیشن — کام لیتا ہے جس سے ہر شہری

سب تمہاری ملکیت تو ہے — شان ہے قدر و منزلت تو ہے

نسل در نسل کی یہ دولت ہے — ساری جنتا کی یہ امانت ہے

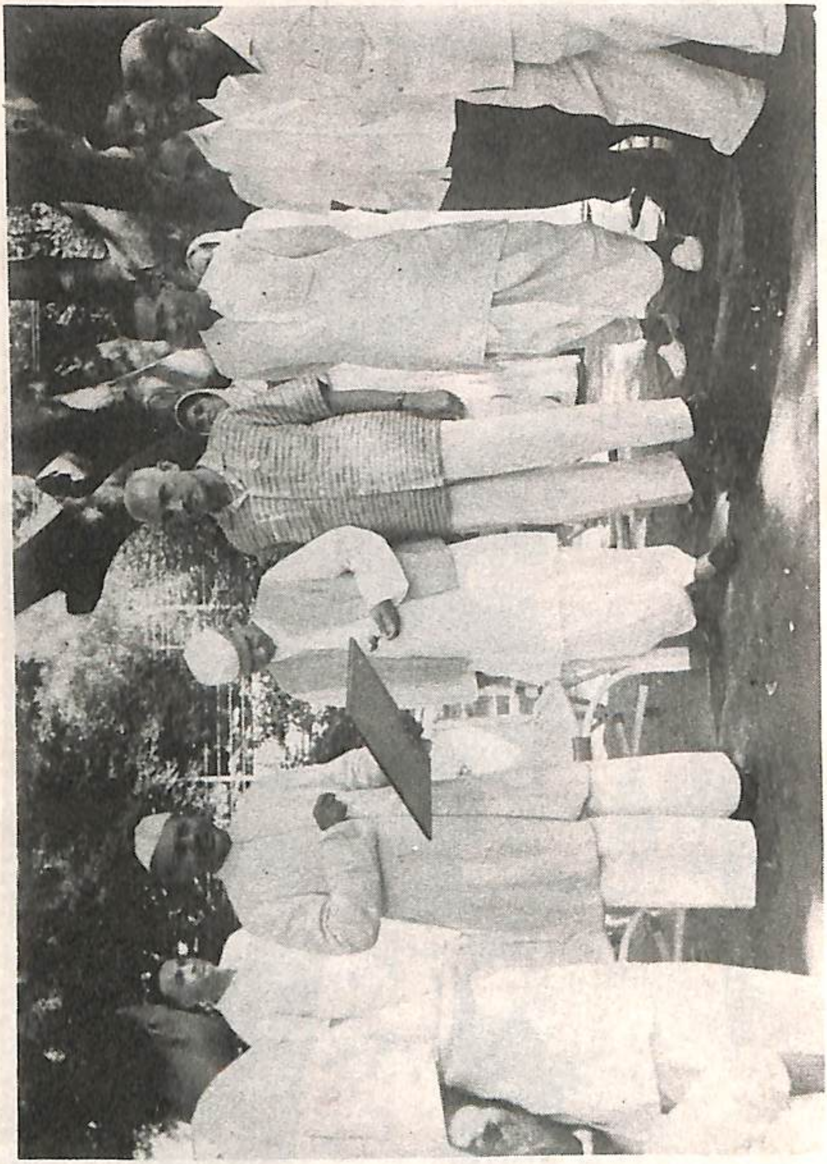
تم یہ دولت لٹا کے خوش ہو گے؟
آگ گھر میں لگا کے خوش ہو گے؟؟

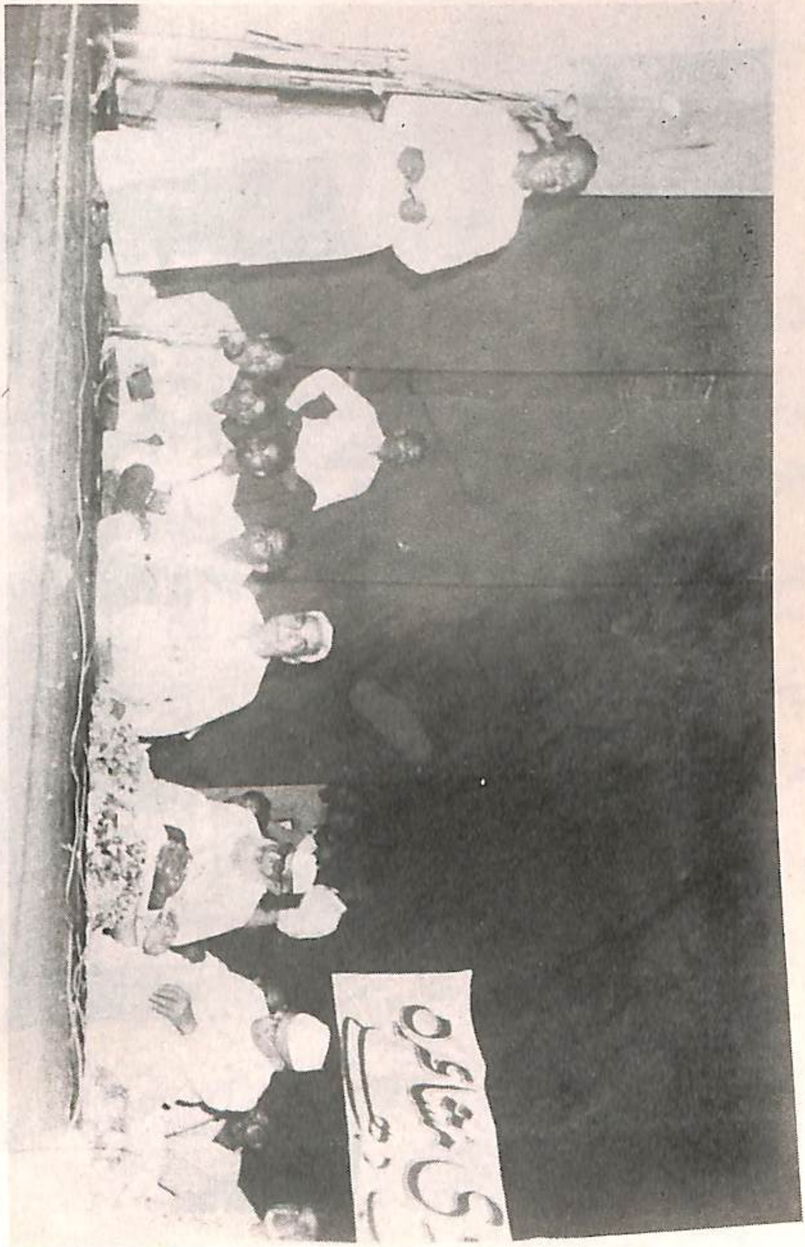
آج کیسا جنون چھایا ہے — غصہ بھی ضد کے ساتھ آیا ہے
اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں ہیں — مارتے ہو کلہاڑیاں ٹھہرو

اپنے گھر کو لگا رہے ہو آگ
کیا یہ ہیں عقلمندیاں ٹھہرو

گھات دشمن لگائے بیٹھے ہیں — لاکھ فتنے جگائے بیٹھے ہیں
ہو تمہاری تمہیں سے بربادی — ساری جمہوریت کی ناکامی
دشمنوں کی یہی تمنا ہے — پھوٹ تم میں پڑے تو اچھا ہے
کہیں مذہب کے نام پر جھگڑا — کہیں صوبے کے کام پر جھگڑا
اپنے بھارت کی سالمیت کو — چاہتے ہو کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو
چھیڑ کے مسئلے زبانوں کے — اینٹ پتھر سے بات کرنے لگے
ڈاک گھر ریل اور اسٹیشن — ان سے قائم ہے پیار کا بندھن
تم انہیں کو جلانے آئے ہو — دشمنوں کو ہنسانے آئے ہو
کہیں اغیار تو نہیں تم میں — کوئی غدار تو نہیں تم میں

اپنے گھر کو لگا رہے ہو آگ
کیا یہ ہیں عقلمندیاں ٹھہرو





'سنہرا اپنا'

کچھ بورڈ کرمچاری شردھا کے پھول لائے
دکچھن کی جنتوں میں دہلی سے کھنچ کے آئے

دھانوں کی سبز کھیتی ہر سمت لہلہاتی
کیلے کی ناریل کی اٹھتی ہوئی جوانی

کالے حسین بالوں میں پھول مسکراتے
دل والے بھونرے جنکی خوشبو سے گنگناتے

انسان میں سادگی کا پر کاش بس یہیں ہے
چھوٹے میں اور بڑے میں کچھ بھید ہی نہیں ہے

عیسائی ہندو مسلم شیر د شکر کی صورت
ہر آدمی یہاں پر انسانیت کی مورت

سینوں میں مندروں کے تقدیس کی جوانی
جیوتی سے لو لگائے شردھا کی زندگانی

فنکار دفن کی باقی صدیوں سے ہے جوانی
پتھر کی مورتوں سے کوئی سنے کہانی
کنیا کماری دیکھا مینا کھشی کو پوجا

رامیشورم میں آ کر جیون کا پاپ دھویا
آواگون سے بچ کر مکتی کا راز پایا
دکھشن کے ساگروں سے من کی اگن بجھایا

وہ دور مل رہے ہیں آکاش اور پانی
لہروں کے ساز پر ہے ساگر کی نغمہ خوانی
لے جا رہے ہیں کشتی یوں بادباں اڑا کے
کچھ ہنس تیرتے ہیں پانی پہ سر اٹھائے
خاموش ہلکی موجیں دل کو لبھا رہی ہیں
اپنی بڑائیوں کے کچھ گیت گا رہی ہیں
لہرا کے مستیوں میں کروٹ بدل رہا ہے
الھڑ پون کی لے پر ساگر اچھل رہا ہے

لہریں نہ ان کو کہیے ماتھے کی سلوٹیں ہیں
فوجوں کے تیز بڑھتے قدموں کی آہٹیں ہیں

ظلمت پہ روشنی کی تلوار چل رہی ہے
گویا کہ ایشور کی شکتی مچل رہی ہے

تیور ذرا بدلے طوفان نوح بن کے
دھرتی پہ دوڑ آئے قہر و غضب کا پرلے

رنگین خوبصورت قدرت کے یہ نظارے
یہ کوہ و دشت و دریا جھوم اٹھے جو نہارے
یادوں میں ساگر امرت منتھن کی گھومتا ہے
رہ رہ کے پاؤں بھارت ماتا کے چومتا ہے

بھارت کا یہ سنہرا پیمانہ جس نے دیکھا
روشن کبھی نہ دیکھا اس نے خدا کا جلوہ
ٹریونڈرم میں جشن جمہوریت منائیں
بھارت کی ایکتا کے مل جل کے گیت گائیں

علمبردار یکجہتی

اے بنارس سرزمین شیو و گنگا و حسین[1]

تیرے دامن میں ہیں کیسے کیسے نقشِ دل نشین

بدھ یہیں آئے تھے لینے گیان سو پا بھی گئے

مکتی سیوا تیاگ سے ملتی ہے بتلا بھی گئے

وہ ہریش چندر کہ جس پر تیاگ اور سیوا کو ناز

گھاٹ پر گنگا کے قائم جس کا اَنَک سوز و ساز

سُننے والے بلبلِ شیریں کے اب تک ہیں اسیر

گونجتے ہیں آج بھی گلشن میں نغماتِ کبیر

بابا نانک بھی تری محفل میں آئے تھے کبھی

ہاں مگر نقشِ قدم ان کے نمایاں ہیں ابھی

باپو جی برسوں سے قائم آج بھی تصویر ہے

یعنی کاشی میں گرو کے باغ کی تعمیر ہے

نوٹ:۔ شیخ علی حزیں مرحوم ایران کے مشہور عالم اور شاعر تھے بنارس ایسا پسند آیا کہ زیارت گاہ فاطمان بنوائی اور یہیں دفن ہیں ؛

جلوہ گاہ حق گرو نانک کی ذات پاک تھی
چہرہ نورانی تھا مرضئی خدا پوشاک تھی

ٹھوکروں میں تاج سلطانی فقیرانہ ادا
یہ غریبوں پر فدا تھا اور غریب اسپر فدا

گو کہ مسلم تھا نہ ہندو مذہبوں سے دور تھا
مسلم و ہندو کی آنکھوں کا مگر یہ نور تھا

خدمت خلق خدا میں رات دن سرشار تھا
جس نے اس کے پاؤں چومے اسکا بیڑا پار تھا

بیدی کالو نر تپتا تم کو مبارک یہ سپوت
آدمی کے روپ میں نانک ہے خالق کا ثبوت

سچ کا سودا جھوٹ کے بازار میں کرتا رہا
معرفت سے دامن انسانیت بھرتا رہا

اس قدر روحانیت کے رنگ میں ڈوبا رہا
نعرہ اک اونکار کا واہ گرو کا لب پہ تھا

امتیاز رنگ و نسل و قوم سے بیزار تھا
بابا یکجہتیٔ انساں کا علمبردار تھا
حسن اخلاق و محبت کی حسیں تصویر تھا
درمیان خالق و مخلوق اک زنجیر تھا
کوئی ہم کو دوسری ملتی نہیں ایسی نظیر
بعد مرنے کے ملا ہو جس کو انداز کبیر
آدمیت اور محبت کا یہی پیغامبر
حشر تک لاتا رہے گا آدمی کو راہ پر
سب پہ فیض عام جیسے راوی و گنگا کا ہے
بابا نانک صرف سکھ مت کا نہیں دنیا کا ہے
بابا نانک سے اگر روشن حقیقی پیار ہو
آدمیوں کا یہ صحرا گلشن بے خار ہو

شری کرشن جینتی

گھر گئی تھی زندگی دنیا کے ہاہاکار میں
بڑھ رہے تھے راکشش بھگوان کے سنسار میں

پاپ کے گھنگھور بادل ہر طرف چھائے ہوئے
کتنے ہی تھے کنس دھرتی پر ستم ڈھائے ہوئے

آدمی چلنے لگا تھا راہ حق کو چھوڑ کر
راکشش کے پاؤں تھے انسانیت کی لاش پر

اس طرح دنیا کی بربادی کو کب تک دیکھتا
آدمی کے روپ میں بھگوان کو آنا پڑا

لو وہ آیا جس سے دنیا میں اجالا ہو گیا
جس سے پھر انسانیت کا بول بالا ہو گیا

وہ کنھیا باسدیو کا لال وہ دیوکی کا پیار
کر دیا جس پر جسودا ماں نے بیٹی کو نثار

وہ کنہیا سانپ کے راجہ کو جس کا انتظار
پاؤں جس کے چومنے کو موج جمنا بیقرار

وہ کنہیا جو کہ چرواہا کبھی گوالا بنا
بھید جس نے جانیہ کے بندھن کا ٹکرے کر دیا

وہ کنہیا جس کی ہنسی گیان کا اک راگ تھی
پریم کی گرمی بھری تھی جس میں وہ آگ تھی

بندرابن میں وہ کھیلا گوپیوں کے ساتھ بھی
ہر نفس پر نفس کو دیتا رہا ہے مات بھی

پھر دکھایا پریم کیا ہے آتماؤں کا ملن
کس طرح رادھا کے دل میں تھی کنہیا کی لگن

ظلم کو قوت پہ اپنی اسقدر ابھیمان تھا
دروپدی کی لاج سے بھی کھیلنا آسان تھا

دروپدی کی لاج رکھ کر شان عصمت کی رکھی
دل میں ہر انسان کے بنیاد غیرت کی رکھی

آدمیت کو پہنچے کا سہارا مل گیا
یوں فضا بدلی کہ مرجھایا گلستاں کھل گیا

جس نے ارجن کو مہابھارت کا نائک کر دیا
یگ پرش کی شکل میں آیا ہوا بھگوان تھا

سمجھے وہ جو مثلِ ارجن عاقبت اندیش ہے
آج بھی دنیا کو بھگوت گیتا اک سندیش ہے

جو لڑیگا حق سے وہ آواگون میں آئے گا
مر کے راہِ حق میں روشن زندگی پا جائے گا

بھگوان مہاویر سوامی

بزرگوں کی عزت نہ خوفِ خدا تھا
زبردست جو چاہتا سب روا تھا
تبسم کتھا موجِ نشتر میں ڈوبا
گلوں کا لہو زینتِ میکدہ تھا

گناہوں سے ماحول جھلسا ہوا تھا
رُخِ مہر غصّہ سے جلنے لگا تھا
کوئی حد تھی ظلم و ستم دیکھنے کی
دلِ ماہ بھی داغدار ہو چکا تھا

یکایک جو بدلا ہے قدرت کا تیور
سحابِ کرم نے دکھایا یہ جوہر
اہنساؔ دیاؔ دھرم کی برق کوندی
چمک اٹھا ہندوستان کا مقدر

وہ گیانی کہ ہر ایک گیانی کا رہبر
اہنسا و انسانیت کا پیمبر
مہاویر سوامی کا پیکر تو دیکھو
خدا تو نہیں ہے خدائی کا مظہر

جیو جینے دو پر جو قائم رہیں گے
مصیبت سے آوا گون کی بچیں گے

یہ دنیا سورگ اور وہاں ہو گئی مکتی
نہ اس جا مریں گے نہ اس جا مریں گے

بشر اپنی قسمت کی تدبیر ہو گا
آہنا د الفت کی تصویر ہو گا
زباں سے نہیں دھرم جو دل سے پوجے
پجاری مہا دیر کا دیر ہو گا

یہ دن جمعہ کا ویر جی کی ولادت
اسی روز عیسیٰؑ نے پائی شہادت
اسی دن شہید ابن حیدر ہوئے تھے
یہ انسانیت کا ہے روز سعادت

چراغ عقیدت کو روشن کریں گے
ہر اک دل کو انسانیت سے بھریں گے
زمانہ میں امن اور انصاف چمکے
اسی کے لئے بس جیئنگے مریں گے

کربلا میں بنارس کا سفیر

میرے والد بزرگوار قبلہ عاشق حسین خان صاحب عاشق بنارسی مرحوم بغرض حج بیت اللہ و زیارت مقدسہ سفر پر تشریف لے گئے۔ کمزور تو تھے ہی۔ کربلائے معلیٰ میں زیارت کے بعد حالت بگڑ گئی۔ موصوف کو جیسے یقین ہو گیا کہ حیات جاوداں سے ہمکنار ہونے کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ چند روز بعد داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور جوار سید الشہداء امام حسینؑ میں مدفون ہوئے۔

وزارت خارجہ ہند کا شکر گذار ہوں کہ اس نے میری عرضی پر ہمدردی کے ساتھ غور کیا اور والد صاحب کو حالت بیماری میں ہندوستان پہنچانے کا تہیہ کیا۔ لیکن بغداد میں سفارتخانۂ ہند کے افسران جب کربلا پہنچے تو مرحوم کے ہمسفر تجہیز و تکفین کے بعد واپس آ رہے تھے۔ بذریعہ ٹیلیگرام مجھے میرے دفتر نئی دہلی میں تعزیت ارسال کی گئی۔ بعد میں مرحوم کا حج بدل کروا دیا گیا۔

والد صاحب مرحوم کے آخری سفر کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی گریہ وزاری کے عالم میں بیساختہ یہ قطعہ ہو گیا ؎

شبلِ حبیب ابن مظاہر جو جاں ہوا
کس درجہ جذب عشق شہ مشرقین ہے

حج کو چلے تھے راہ جناں کربلا نے دی
آغوش میں حسین کے عاشق حسین ہے

مرحوم کے چہلم کی مجلس بنارس میں منعقد کی گئی مندرجہ ذیل نظم دہلی سے بنارس کے سفر میں لکھی گئی:- "کربلا میں بنارس کا سفیر"

کربلا میں بنارس کا سفیر

اے بنارس اے ہمارے باپ دادا کے وطن
تیری آغوش محبت میں پلے پھولے چمن

دولت علم و ہنر ہیں تیرے شیخ و برہمن
پیار اخلاق و شرافت کا سبق جنکا چلن

زم زم و تسنیم کی تصویر یہ گنگ و جمن
مومنین پارسا تیری بہاروں کے پھبن

یاد ہے دامن میں تھا تیرے کوئی در یتیم
بچو خاں جو بن گیا تھا زینت تاج وطن

با عمل عالم کی صورت متقی و پارسا
جس کے دم سے ادر چمکا مومنیت کا چلن

جامعہ جوادیہ کے بانیوں میں خاص تھا
نیکیاں کر کے ہی رہنا تھا ضمیر اس کا مگن

کہہ گئے منے اسّد اختر بصد فخر و غرور
"پہلی صف میں نجو خاں ہیں یا نوابِ رامپور"

ہاں اسی کا لختِ دل لختِ جگر عاشق حسین
طاعت و ایثار و حلم و عشق کا جو زیب زین

بن گیا ماں باپ کی طاعت کی اک ایسی مثال
جس کی عظمت تک پہنچ پائے نہ پروازِ خیال

دوست تو پھر دوست ہیں غیروں کو بھی جس سے پیار تھا
سیرتِ آئمہ اظہار تھا جس کا شعار

عمر بھر بیوہ یتیموں کی مدد کرتا رہا
باپ کے نقشِ قدم پر ہر قدم دھرتا رہا

ماہرِ فنِ لطیف ایسا کہ فنکاروں کو ناز
ایک دنیا کو رہے گا یاد جس کا سوز و ساز

لحنِ داؤدی کا عالم سوز خوانی سے عیاں
وجد میں تا دیر رہتے سامعینِ قدرداں

ایک شاعر تھا مگر مداح اہلبیت تھا
خوبیوں کا اسکی بدلہ حق نے بھی کیا دیا

حوصلہ اپنے پدر کا لے کے حج کرنے گیا
زندگی جاوداں سے زیست کو بھرنے گیا

خاک میں تیری بنارس کربلا کا تھا خمیر
تو نے بھیجا روضۂ شبیر پر اپنا سفیر

لاکھ ہو تفریق اس دنیا میں اصل و نقل کی
یہ سعادت تو نہیں محتاج رنگ و نسل کی

اپنے عاشق کی ہر اک خواہش کو پورا کر دیا
حد ہوئی کہ شاہ دیں نے پاس اپنے رکھ لیا

رشک ہو کیونکر نہ درخشن خوشی تقدیر پر
فاتحہ عاشق کا پڑھئے روضۂ شبیر پر

نوٹ :-
۱۔ نظیر حسین عرف بنجو خاں صاحب مصنّف کے دادا
۲۔ جوادیہ کالج بنارس کی تعمیر کے لئے بنجو خاں صاحب نے جتنی رقم چندہ کی دی اس کے بعد اتفاق سے اتنی ہی رقم نواب صاحب رام پور نے دی۔ اسی سے متاثر ہو کر خواجہ منے آشد صاحب نے ایک نظم فرمائی جس کا ایک مصرعہ تظمین کیا گیا :۔

رجحانات نو

"قطعات"

قصائد

و

سلام

ہم اہل سفینہ ہیں نجات اپنے لیے ہے
صد شکر کہ ہم نوحؑ کی اولاد نہیں ہیں

روشن بنارسی

بسمہٖ سبحانہٗ

تعارف

(از عالی جناب مولانا سید ظفر الحسن صاحب قبلہ مرحوم پرنسپل جوادیہ کالج بنارس)

سرزمین بنارس جس کے متعلق علامہ شیخ علی حزیں فرما گئے ہیں کہ

ہر برہمن پسر لچھمن و رام است اینجا

انہیں کے ابتدائی فیض اور علمائے مابعد کی انتہائی سعی سے اب یہاں مداحان اہلبیت کی کثیر جماعت پیدا ہو گئی جو اپنی صلاحیت و توفیق کے مطابق مذہبی اجتماعات کی رونق میں اضافے کا سبب بنتی رہی۔ ان میں بہت سے باعتبار فن بھی کامل تھے "اسی بیسویں صدی میں دور فائز بنارسی سے دور محشر بناسی تک مداحوں کا ایک سلسلۃ الذہب نظر آتا ہے۔

اس وقت میں جس ہونہار شاعر کا تعارف پیش کر رہا ہوں یہ اس مشہور متقی اور پرہیزگار بزرگ کے پوتے ہیں جن کا اسم گرامی نذیر حسین تھا اور بچو خاں صاحب کی عرفیت کے ساتھ شہرت رکھتے تھے خود بھی شاعر تھے مگر صرف مدح اہلبیت سے سروکار تھا۔ بڑے زندہ دل مگر نہایت محتاط، ناچیز سے بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے۔ بلا مبالغہ انکی ہستی آداب مجلس کا آئینہ تھی۔ قدرت نے انکو فرزند بھی ایسا مطیع دفرمانبردار مرحمت کیا تھا جو اسم بامسمٰی یعنی عاشق حسین ایسا عاشق حسین کہ گویا مرنے کے لئے سفر کربلا کیا اور بارگاہ حسینی میں اپنی جان ضریح مقدس پر نچھاور کر دی (رحمہما اللہ)

یہ مرحوم بھی شاعر تھے اور عاشق تخلص کرتے تھے۔ ہر محفل میں شرکت کرتے اور طرح میں قصیدہ پیش کیا کرتے تھے۔ یہ باپ بیٹے محافل و مجالس میں ساتھ آیا کرتے تھے۔ مگر عاشق صاحب کئی بیٹوں کے باپ ہونے کے باوجود اس ادب اور نرمی کے ساتھ اپنے والد سے گفتگو کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو رشک ہوتا تھا۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پاکیزہ انداز اور لطیف تہذیب انہیں افراد کے ساتھ دفن ہو گئی۔ انہیں مرد باخدا یعنی جناب عاشق حسین خانصاحب کے خلف اکبر گرامی قدر روشن علی خاں صاحب روشن بنارسی ہیں۔ جو خود ایک باکمال شاعر ہیں۔ قصائد وسلام خوب کہتے ہیں، جدت و ندرت کے علاوہ خوش فکر خوش گو اور خوش گلو ہیں تعمیری، اصلاحی اور افادی پہلوؤں پر خاص نگاہ رکھتے ہیں جنکا مختصر مجموعہ قصائد وسلام آپ کے پیش نظر ہے۔

ظاہر ہے کہ باپ دادا کے مذہبی ماحول میں جس کی آنکھ کھلی ہو وہ انگریزی تعلیم کے باوجود مذہب سے بیگانہ نہیں ہوسکتا۔ (موصوف اس وقت وزارت ریلویز ریلوے بورڈ نئی دہلی میں چیف ولفیر انسپکٹر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں) جب تک سلسلہ ملازمت بنارس میں تھا یہاں کی محفلوں میں اپنے بزرگوں کے ساتھ شرکت کرتے رہے۔ اور اپنے حسن کلام سے دلنشیں خوش گلوئی سے محفل کو بیدار کر دیا کرتے تھے۔

ماشاء اللہ شاعرانہ طبیعت بچپن ہی سے تھی پھر کچھ دن علامہ صفی مرحوم لکھنوی سے شرف تلمذ بعدہ بنارس کے مشہور اور مستند شاعر الحاج جناب حکیم محمد کاظم صاحب کی اصلاح نے

سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

روشن صاحب غزل بھی خوب کہتے ہیں اور مشاعروں میں بھی شرکت کرتے ہیں۔ لیکن میں ان کا تعارف صرف مداح اہلبیت کی حیثیت سے پیش کر رہا ہوں جس کا صلہ اس دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی ملتا ہے جسکے وہ خود بھی معتقد ہیں۔

ساتھ ہیں تیرے محبوں کے حسین ابن علی
سرخرو ہے تیرا روشن سر محشر نکلے

موصوف کے کلام پر کوئی تبصرہ نہیں مقصود ہے ممکن ہے اس فریضے کو کوئی اور صاحب انجام دیں لہذا اپنی بات اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ رب کریم موصوف کو ہمیشہ مدح اہلبیت کی جانب متوجہ رکھے تاکہ دین و دنیا میں ہر جگہ انکو سرخروی حاصل ہو۔

آمین

دستخط:۔ (احقر ظفر الحسن رضوی)

۵ راکتوبر سنہ ۱۹۷۶ء

"تقریظ"

مجتبیٰ روشن علی خاں صاحب روشن بنارسی کا کلام موجودہ مرتب
شکل میں چند روز سے میرے مطالعہ کا ایک اہم حصہ رہا ہے میرے اور
روشن صاحب کے پرخلوص روابط کا یہ چوتھا دہہ چل رہا ہے اور یہ
قرب شخص اور شخصیت کی ہر جہت پر حاوی رہا ہے۔ میں نے ان کا کلام
مشاعروں میں انہماک سے سنا ہے اور ہم نشینی میں زیر لب لہجے اور
سرگوشی کے ترنم سے بھی لطف اندوز ہوا ہوں۔ اس لئے یہ ضروری
نہیں تھا کہ میں کچھ سپرد قلم کرنے سے پہلے ان کے کلام کو اس طرح
پڑھوں کہ ایک مصرعہ بھی نظر سے نہ چوکے مگر میں نے اس پر اصرار کیا کہ
میں ایک ایک لفظ پڑھ کر پھر بطور تقریظ کچھ لکھوں گا ان کی خوش خلقی
نے اس کو گوارا کیا۔ میں نے تقریباً ایک ہفتہ ان کی وادیٔ تخئیل کے گلستان
خوش بیانی، بوستان خوش خوئی اور فرض شناسی میں ان کے ساتھ گذارے۔
میں نے ان کی غزلیں بھی پڑھیں۔ معتقدات سے متعلق منظومات بھی
اور پھر سماجی اور سیاسی نظمیں بھی۔ موجودہ ترتیب میں انہوں نے
اپنے کلام کو ان ہی چند خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ شاید اس میں یہ جذبہ
کارفرما رہا ہے کہ قاری اپنے پسندیدہ عنوان اور حصے میں اپنے لئے سامان
تسکین تلاش کرلے اور بس۔ آج کل کی مصروف زندگی میں یہ بھی
ایک پسندیدہ جذبہ اور حسن عمل قرار پائے گا مگر میں اس مطالعہ کے
بعد یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس طرح قاری بہت عمدہ چیزوں
کے مطالعہ سے محروم رہ جائے گا اور یہ حسن عمل غیر ارادی اخلاقی

بد دیانتی کے مترادف ہو جائے گا۔ میں دیرینہ تعلقات کے باوجود اس مطالعہ کو اپنے لئے ایک بازیافت کی حیثیت دیتا ہوں۔ بات صرف اتنی نہیں کہ جو کچھ ان کی زبان سے نہیں سنا تھا اس کو پڑھنے اور اس سے محفوظ ہونے کا موقع ملا بلکہ یہ کہ اکثر ان اشعار میں بھی جو ان سے سن چکا تھا ایک نیا کیف' ایک نیا پہلو سامنے آیا اور یہ بھی کہ سنانے والے شاعر کی مجسم شخصیت جو نقوش سننے والے کے پردۂ ذہن پر مرتسم کر چکی تھی مطالعہ کلام کے وقت قاری کے ذہن میں اقدار اور معیار کے نئے خدوخال کے ساتھ ابھرتی ہے میں چاہتا ہوں کہ تاثر کی اس بازیافت کے لئے اس مختصر اشاریہ میں کچھ نکات پیش کروں۔

روشن فطرتاً جویائے حسن ہیں اس کے لئے یہ حسن صرف پھولوں کی شگفتگی اور انسانی خدوخال ہی میں نہیں بلکہ ہر خیال میں' ہر عمل میں پوری رعنائیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اور جو اس حسن کا جویا ہو اس کے لئے گلدستہ اور سلیقہ سے بنا ہوا دستہ خار ایک سی کشش رکھتا ہے۔

روشن بالطبع خلوص کا پجاری ہے اور وہ یہ خلوص صرف انسانی رشتوں اور روابط ہی میں نہیں ڈھونڈھتا ہے بلکہ ہر کام کی انجام دہی میں اس خلوص کی کارفرمائی دیکھنا چاہتا ہے۔

روزمرہ کام کرنے کی جگہ دفتر یا کارگاہ کو معبد قرار دینا اور وسائل معاش کو انسان کی انسان سے محبت کی علامت قرار دینا اسی خلوص پرستی کا عکس ہے۔ اس کے لئے ہر جذبۂ ایثار ایک لازوال مسرت کا سرچشمہ ہے۔ اس کے لئے ہر پرخلوص اقدام و بہبودی عوام ابدی نغمہ کی جھنکار ہے۔ دکھ درد کو دور کرنے والے ہر لفظ کو وہ

الہام کا درجہ دیتا ہے اور ایسی ہر حرکت اور عمل کو معجزہ کے وقار کا حامل سمجھتا ہے ؛

وہ کارخانوں کے دھوئیں کو ابر کرم بنانے کا آرزومند ہے۔ اور وہ ہر ایسی جماعت کو سراہنا چاہتا ہے جو اس حسین تبدیلی کے سبب اور ذریعہ بن جائے۔ آدمی کو اس دنیا میں اس کو ایسا آدمی پیارا ہے جس کے چہرے کی صباحت سے شرافت ٹپکے۔ جس کی آنکھوں میں محبت کی مے ناب ہو۔ جس کے آئینہ دل پر کدورت نہ ہو اور جس کی چین جبین فہم و فراست کی علامت ہو ناخوشگوار جذبہ کی نہیں۔ اس نے اپنے کلام میں ایسے ہی آدمی کو سراہا ہے۔ غزلیں ہوں یا عقیدت مندانہ کلام۔ سیاسی نظمیں ہوں یا سماجی منظومات سب کا محور یہی پیارا آدمی ہے۔

مزہ جب ہے کہ بندہ ہو مگر دنیا خدا سمجھے۔

وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے اور اس کی زندگی کے دلکش رنگینی موت کی ہیبت ناک سیاہی میں سے بھی چھلکتی رہتی ہے۔

تنگ نظری تعصب کے اس دور میں ایسے متوازن کردار کی تلاش کرنا اور اس کا ذکر کرنا بھی ایک سعادت ہے اور یہ سعادت ان ہی کے حصہ میں آتی ہے جو فردا کی آواز سن لیتے ہیں اور ماضی اور حال کی تباہ کاریوں کے باوجود انسان کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔

روشن بنارسی اس پر امید جماعت کے ایک فرد ہیں۔ افتراق اور اختلاف کے اس دور میں اس کے کلام کا آہنگ، اس کے کلام کی نغمگی کو گنگا جمنی کی روانی کے حسن کا پرتو سمجھئے اس نے

کوئلہ اور لوہے کا ذکر اس ترنم لہجہ میں کیا ہے جو زلف پرخم اور گلاب کی پنکھڑی کے لئے مختص تھا۔

اور آخر میں یہ راز کی بات بھی سن لیجئے کہ میں نے نثر میں جو کچھ کہا ہے وہ اس کلام کی خوشہ چینی ہے۔ آپ خود کلام پڑھیے حسن انتخاب سے کام لیجئے اور اگر میری بات داد و تحسین کی مستحق ہے تو مجھے بھی داد دیجئے ؛

سید ابوالکاظم قیصر زیدی
المعروف بہ
پروفیسر قیصر زیدی معلم اردو
زبان و ادب جامعیہ ملیہ اسلامیہ
دہلی۔

نعت

اپنے والد گرامی قبلہ عاشق حسین صاحب عاشق بنارسی مرحوم کی نعت تبرکاً شامل کر رہا ہوں:

روشن بنارسی

انساں بنا گئے ہمیں کلمہ پڑھا گئے
ہم کو نبی نجات کا رستہ دکھا گئے

ہمسر نہیں ہے جس کا کوئی دو جہان میں
وہ لامکاں سے آج زمانے میں آ گئے

ظلمت مٹا کے نور کا دریا بہا گئے
اسلام لے کے بانئ اسلام آ گئے

ہجرت نبی نے کی جو بحکم خدائے پاک
بستر پہ اپنے شیر خدا کو سلا گئے

کلمہ پڑھیں گے اب تو شجر اور حجر بھی
سلطانِ جن و انس زمانے میں آ گئے

دو، ہو گا ماہتاب اشارے سے آپ کے
شان خدا دکھانے وہ دنیا میں آ گئے

اللہ بھی جمال نبی دیکھتا رہا
نظروں میں چشم قدرت حق کی سما گئے

انوارِ مصطفےٰ نظر آتے ہیں چار سو
عاشق مری نظر میں وہ ایسے سما گئے

رازق

جو حق ہے تیرا اس سے سوا دیتا ہے
رازق ہے وہ بندوں کو سدا دیتا ہے
انسان کو بھوکا رکھے انساں لیکن
پتھر کے کیڑے کو خدا دیتا ہے

بار رسالت

ہاتھوں میں ذوالجلال کی قوت لئے ہوئے
بندہ ہے دو جہاں کی حکومت لئے ہوئے
خیبر کی کیا بساط الٹ دے وہ دو جہاں
کاندھوں پہ جو ہو بار رسالت لئے ہوئے

مباہلہ

تعبیر دے کے فطرت انساں کے خواب کی
بنیاد رکھ دی ایک نئے انقلاب کی

پنہاں مباہلہ میں تھی روحانیت کی فتح
پر امن جنگ تھی یہ رسالت مآب کی

پئے مباہلہ چلے نبی اس اہتمام سے
علی عقب میں درمیاں میں عصمتی حجاب سے

ادھر حسین گود میں اُدھر حسن بھی ساتھ ہیں
ادھر بھی آفتاب ہے اُدھر بھی آفتاب ہے

مباہلہ میں جو تبلیغ کا تھا راز نہاں
وہ پا سکے نہ راز بھی مبلغین جہاں

جو کام بن نہیں سکتا تھا بد دعاؤں سے
وہ کام کر گئی آخر جلالت ایماں

دست خدا

مسکرائے تو کوئی مرنے کے ساماں دیکھ کر
مچھلیاں بازو کی ابھریں موج طوفاں دیکھ کر

کون ہے دنیا میں جس کے ہاتھ ہوں دست خدا
تیغ بھی جس کی چلے تو کفر ایماں دیکھ کر

حضرت جبرئیلؑ کے پر جل گئے

عقل حیراں ہے کمالِ تیغ حیدر دیکھ کر
اور کھل جاتے ہیں جوہر جنگ خیبر دیکھ کر

بے خطا و پر خطا میں فرق کرتی ہے یہ تیغ
کفر کا ٹا رک گئی جبرئیل کے پر دیکھ کر

نصیری کا خدا

معجزوں میں ہو کے گم ہوئے نثار مرتضےٰ
راہ وحدت سے بھٹکتے دوستدار مرتضےٰ

یہ نصیری کا خدا عالم کا بن جاتا خدا
کر لیا بڑھ کر امامت نے حصار مرتضےٰ

پیام حسینؑ

مسیحؑ اور خلیلؑ سے نبی کا یہ جواب ہے
حسینؑ کے شباب میں رسولؐ کا شباب ہے

حسین کا لہو پیام دے رہا ہے آج بھی
جگا کے انقلاب کو جو سو رہا کا خواب ہا ہے

فاتحِ اعظم

قدرت کا ایک عزمِ مصمم حسین ہے
معراجِ آدم و بنی آدم حسین ہے
تاریخ انقلاب کی روشن یہ ہے صدا
انسانیت کا فاتحِ اعظم حسین ہے

قطعات ولادت امام حسین

"تیسرا امام آیا"

علی کا لختِ جگر صاحبِ حسام آیا
اک انقلاب لئے سرورِ انام آیا
گناہ خوردہ و ماؤف ذہنیت کے لئے
مسیحِ دینِ خدا تیسرا امام آیا و نود

جادۂ حق

حسین کیوں نہ ہو وابستہ تجھ سے دینِ خدا
کہ عین وقت پہ اسلام کے تو کام آیا۔
برائے تکملۂ عزم جادۂ حق پہ دنود
اجل کی سمت کوئی انسان تیز گام آیا۔

وقارِ انسانی

حسین آئے کہ آیا پیامِ ربّانی
نظر نظر میں سمایا وقارِ انسانی

زمانہ کتنے ہی پیدا کرے یزید مگر
نہ اب جھکائے گا مظلوم اپنی پیشانی

قصیدہ

در مداحِ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

صبحِ خنداں تیرگی سے برسرِ پیکار ہے
ضو شعاعِ مہر کی چلتی ہوئی تلوار ہے

جلوہ فرما ہو گیا خورشید وحدت دہر میں
تو خزاں کی شکل تاروں کا بھرا گلزار ہے

مہر ہر ذرہ کی قسمت پہ لگی والفجر کی
اے خوشا آغوشِ گیتی مطلعِ انوار ہے

رہ گیا ہے ٹوٹ کر جھوٹے خداؤں کا طلسم
ضو فشاں ایوان ہائے اک صبح کا ادبار ہے

جہل اور اوہام باطل لاکھ سر ماریں تو کیا
کفر کی تعمیر اب بیٹھی ہوئی دیوار ہے

کہدو یہ اصنام سے انسان کو سجدے کریں
اب شعورِ زندگی پوری طرح بیدار ہے

آگیا جو دو جہاں کا مالک و مختار ہے
انقلابِ زندگی کا جو علمبردار ہے

جس کی ہر بات پر مہریں لگی ہیں وحی کی
صانعِ قدرت کا جو اک آخری شاہکار ہے

صلح میں جس کے نہاں قدرت کی خاموشی کا راز
معرکوں میں جس کا تیور برقِ شعلہ بار ہے

جراءت و عرفان نے جس کے یہ ظاہر کر دیا
آتشِ نمرود ابراھیمؑ کا گلزار ہے

جس کی قوت حیدرؓ و شبیرؓ کے بازو کا زور
شبر و زہراؓ سے جس کے حلم کا اظہار ہے

دولت ایمان اتنی دی ابوذر کر دیا...
تہی تھی دامن جو کل تک آج وہ زردار ہے

وہ نظام زندگی لایا جہاں کے واسطے..
مطمئن جس سے ہر اک نادار ہے زردار ہے

بندگی و عدل و انصاف و مساوات بشر
ہے وہی اسلام کی بنیاد جو کردار ہے

جانب معراج یوں محبوب حق ہے تیز گام
شہسوار آگے ہے پیچھے وقت کی رفتار ہے

جو بھی ہوگا دیکھ لیں گے حشر میں اب غم نہیں
آگیا وہ شخص جو ہم عاصی کا پردہ دار ہے

در مداح ولادت حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ

کھلی جو آنکھ تو منظر بڑا سہانا تھا
لبوں پہ صبح ازل کے مرا ترانہ تھا

بہار خلد سے عالم نگار خانہ تھا
کلی کلی کی زباں پر مرا فسانہ تھا

زبان خار بھی تھی ہمزبان غنچہ و گل
عجیب دور تھا وہ بھی عجیب زمانہ تھا

عروس فطرت ہستی سنور گئی مجھ سے
نہ آئینہ تھا مرے ہاتھ میں نہ شانہ تھا

چھلک اٹھے مئے عرفاں سے دل کے پیمانے
کہ میرے نام سے قائم شراب خانہ تھا

مئے خودی میں جو تر شیشئ بیخودی آئی
خمارِ صبحِ طرب خوابِ تھا فسانہ تھا

نہ رنگ و بو میں کشش تھی نہ زندگی میں ثبات
اداس اداس جہاں کا نگار خانہ تھا

کشاں کشاں مری مجبوریاں وہاں لائیں
جہاں جہاں کا مقدر میں آب و دانہ تھا

یہ کہہ دو گردشِ دوراں سے اب ٹھہر جائے
پہنچ گیا میں وہاں جس جگہ پہ آنا تھا

زہے نصیب وہ ماہِ رجب ہوا روشن
چراغ دل کا اسی شمع سے جلانا تھا

بس اس خوشی میں کہ قسمت بنے گی اب روشن
تمہیں تو مطلع رنگین کوئی سنانا تھا

کلیم طور بہ حرم کی طرف بھی آنا ... تھا
پھر اُن کی طرف نظر اپنا آزمانا تھا

خود اپنا زورِ مشیت کو آزمانا تھا
چراغ بیچ میں طوفان کے جلانا تھا

جگہ جو قلب میں دیتی تھی اپنے مہمان کو
جدار خانۂ کعبہ کو مسکرانا تھا

خلیل وقت کی اسلام کو ضرورت تھی
حرم میں شعلۂ نمرود کو بجھانا تھا

پڑی جبیں پہ شکن برق طور لہرائی
علیؓ کا ہاتھ مشیت کا تازیانہ تھا

عبادت دو جہاں ایک ضرب پہ صدقے
علیؑ کی شان شجاعت کا یہ ٹھکانا تھا

نگاہ والوں نے دیکھی خلوص کی معراج
علیؓ کے پاؤں کے نیچے نبی کا شانہ تھا

کبھی تھا آب نمک اور کبھی تھی نان جویں
بس اتنا فاتح خیبر کا آب و دانہ تھا

زرہ کو بیچ کے سامان لایا شادی کا
وہ جسکے ہاتھ میں کونین کا خزانہ تھا

وہ جس غریب نے غربت کی آبرو رکھ لی
اسی کے زیر قدم تاج خسروانہ تھا

علیؓ کے خلق پہ شاہد علیؓ کا قاتل ہے
کہ دشمنوں سے بھی انداز مخلصانہ تھا

ہر ایک نقشِ قدم خضر جادۂ عرفاں
ترا وجود حقائق کا اک خزانہ تھا
نگار خانۂ عالم سنوارنے والے
چراغ قسمت روشن کبھی جگمگاتا تھا

مشیت پروردگار
در مدح حضرت زینبؑ خواہر شہید اعظم و فاتحہ کربلا حضرت امام حسینؑ

پردہ نشین سادہ سی عورت کا ذکر ہے
اک پیکر خلوص و محبت کا ذکر ہے
سُنیئے کہ بنت مالکِ جنت کا ذکر ہے
اسلام کے لہو کی حرارت کا ذکر ہے
صنفِ لطیف ناز کرے جسکو دیکھ کر
انسانیت کے تاج کا زینب ہے، وہ گہر

حسنین کی وہ خواہر خوش خو وہ باوقار
وہ زینب جری اسد اللہ کی یادگار
وہ فاطمہؓ کی لخت جگر فاطمہؓ شعار
حوّا کا ناز مریم و سارا کا افتخار
پردہ نشین و عصمت و عفت کی آبرو
جنگاہ کربلا میں شجاعت کی آبرو

صحن مکاں ہوا اپنا کہ میداں کارزار
پیش نگاہ رہتی تھی مرضیٔ کردگار
زینب تھی خاندان رسالت کا شاہکار
برگ گلاب تازہ کہیں گاہ ذوالفقار
حیدر کا رنگ حسن رسالتمآب کا
انداز گفتگو تھا خدا کی کتاب کا

ماں باپ اور نانا کا غم کم ہوا نہ تھا
بھائی حسن کا داغ شہادت بھی سہہ لیا
راہ خدا میں بیٹوں کو اپنے فدا کیا
زینب ہے روح شاہ شہیدان کربلا
تاریخ کائنات میں خاتون کم نہیں
ایسی مگر جب ایک ہو اور غم نہیں

ثانیِ زہرا اوجِ سعادت کا نام ہے
گنجینۂ شرافت و عظمت کا نام ہے
سرمایہ بہارِ شریعت کا نام ہے
زینب امامِ وقت کی قوت کا نام ہے
مثلِ رسول بن گئی کفار کا جواب
عزم و عمل میں حیدرِ کرار کا جواب

رہتی نہ زندگی شہادت حسین کی
ہر بات کٹ چکی تھی شہہ مشرقین کی
آئی ہوئی تھی سر پہ گھڑی شور و شین کی
لیکن نوار صدانہ تھی زینب کے بین کی
دل سے اٹھی جو آہ وہ تلوار بن گئی
تقریر انقلاب کی جھنکار بن گئی

بعد حسین جنگ کا نقشہ بدل دیا
بازاروں میں جو خطبہ دیا بر محل دیا
پیغام شاہِ دیں کا بہ بانگ دہل دیا
پائے اسیر نے سرِ ظالم کچل دیا
تشہیر سے نمایاں تھی تطہیر کی ضیا
بڑھتی گئی شہادت شبیر کی ضیا

زینب وقار شاہ شہیداں کا نام ہے
دیں کی محافظت میں علی کی حسام ہے
تطہیر کی یہ تیغ ہے جو بے نیام ہے
زینب نہیں حسین علیہ السلام ہے

شیر خدا کا رنگ ابو طالب کا روپ ہے
کردار فاطمہ و خدیجہ کی دھوپ ہے

حلقہ میں اہل نار کے اہل حریم کا نور
تاریکیوں میں صبح کے جلوئں کا تھا ظہور
قیدی بنا کے کوفہ میں لائے گئے غیور
تقریر بنت زہرا سے برپا ہوا شور

مظلومیت کی اب یہ نئی کارزار تھی
زینب نہیں مشیت پروردگار تھی

سلام

آپڑا وقت جو اسلام کے جرّاروں پر
رکھ دیئے خشک گلے بچوں نے تلواروں پر

جب بہار آتی ہے ایمان کے گلزاروں پر
پھول کھلتے ہیں دھکتے ہوئے انگاروں پر

کیف چھایا تھا یہ سرور کے پرستاروں پر
وجد کرنے لگے شمشیر کی جھنکاروں پر

حیدری شان سے میداں میں جو بچے نکلے
ہیبتیں چھانے لگیں فوج کے سرداروں پر

جس جگہ پاؤں بہتر کے جمے ہٹ نہ سکے
یورشیں ہوتی رہیں عزم کے کہساروں پر

ہمنوا سارا زمانہ نہ بنے ناممکن
کوئی چل کر ذرا دیکھے انہیں کرداروں پر

خون شبیر ہی تمیزِ حق و باطل تھا
ورنہ پھولوں کا گماں ہوتا تھا انگاروں پر

آج اسلام نما کفر ہی مذہب ہوتا
پھر نظر آتا صنم کعبہ کی دیواروں پر

جز حسین ابن علی ہے کوئی سالک ایسا
راہ معبود میں سر سے چلے تلواروں پر

تو نے اس وقت حقیقت کی چمن بندی کی
جبکہ پھولوں کا گمان ہوتا تھا انگاروں پر

کل وہی اپنی مصیبت پہ بہت روئیں گے
آج ہنستے ہیں جو شبیر کے غمخواروں پر

میزبان یوں ہی کیا کرتے ہیں مہماں سے سلوک
تیر برسا دیئے پانی کے طلب گاروں پر

شمر نے دی یہ سکینہ کو یتیمی کی سند
تھے طمانچوں کے نشاں پھول سے رخساروں پر

یاد کچھ مادر اصغر کو بھی آتی ہو گی
پڑتی ہو گی جو نظر بچوں کے گہواروں پر

تا کہ اسلام کا رخ اور بھی روشن ہو جائے
خون اصغر کا ملا شاہ نے رخساروں پر

اللہ کا شکر

در مدح فاتح فرات، مالکِ ملکِ وفا حضرت عباس علمدار فوج حسینی

ہو مبارک، پسر فاتح خیبر آیا
مالک ملک وفا شیر دلاور آیا

شیر کی طرح بدلتا ہوا تیور آیا
اپنے ماتھے کی شکن میں لئے خنجر آیا

دخترِ ختم رُسل کہتی ہے بیٹا تجھکو
غیر معصوم کا الزام ترے سر آیا

غیر معصوم سبھی تیرا شرف کیا کہنا
حد تو یہ ہے کچھا معصوم کا بنکر آیا

ماں تری ام نبین اور پدر شیرِ خدا
بیشۂ شیر ہیں تو بن کے غضنفر آیا

حوصلہ، عزم، وفا، شوق شہادت، ایثار
تیری تقدیر میں کیا کیا نہیں جوہر آیا

دین کا زور بڑھا قوت کفار گھٹی
آئے عباس کہ اللہ کا لشکر آیا

نصرتِ دینِ خدا میں قدم آگے ہی بڑھے
کام آئے کبھی بازو تو کبھی سر آیا

بڑھ کے جب کوئی عدو آیا لڑائی کے لئے
وہ تری سمت نہیں موت کے در پر آیا

بس نہ تھا شک کی صورت میں سمٹ جاتی فرات
دیکھا موجوں نے جو پیاسوں کا مقدر آیا

سوچتی ہی رہی یہ پیاسی سکینہ پہروں
اب چچا لائے خنک آب کا ساغر آیا

قابلِ دید ہے روشن بنی ہاشم کا تمتہ
شام کی فوج سے ہنستا ہوا باہر آیا

کس طرح چھپتا بھلا جوہرِ ذاتی روشن
رنگ کردار مصائب میں اُبھر کر آیا

سلام

کبھی جب مدحتِ شبیر میں دل رو شن مچلتا ہے
ہر اک مصرعہ سے گویا چشمۂ کوثر ابلتا ہے

شہادت سے حقیقی زیست کا پہلو نکلتا ہے
قلم ہوتے ہی سر انسان راہِ حق میں پھلتا ہے

الٹ کر آستین مومن اگر تیور بدلتا ہے
مصائب کی اڈاتی آندھیوں کا دل دہلتا ہے

کہا شبیر نے بیعت نہ ہو گی دستِ فاسق پر
چراغِ خانۂ کعبہ ہمارے دم سے جلتا ہے

حبیبی کارنامہ کہہ رہا ہے نوجوانوں سے
وغا ایک کھیل ہے جس سے دلِ مومن بہلتا ہے

شجاعت نے صدا دی پاسبان دریا کے آ بیٹھیں
ترائی پر علی کا شیر قابض ہے ٹہلتا ہے

وہ اوصاف حسن کے ہو نہیں سکتے کبھی حاصل
سوائے غیر حسن کو ذکرِ اہلبیت کھلتا ہے

علمدارِ حسینی ہو کے گھائل تن کے یوں بولے
کٹے شانوں سے بھی اسلام کا پرچم سنبھلتا ہے

کلام اپنا کلام میر و مرزا تو نہیں لیکن
خدا کی دین ہے فیضان مولا ہے کہ چلتا ہے

سفینہ تہ نشیں ہوتے نہیں دیکھا کبھی حق کا
اگر منجدھار میں ڈولے تو ساحل پر نکلتا ہے

یہ اصغر ہی سہی لیکن ہے پوتا شیر یزداں کا
مچل جائے تو پھر مقتل میں آکر ہی بہلتا ہے

ملے اصغر کا خوں یوں سرخرو شبیر آتے ہیں
کہ جیسے صبح نو کا تازہ دم سورج نکلتا ہے

شبیہیں دیکھتا ہوں مجلسیں سنتا ہوں جب روشن
رگ و پے میں لہو بنکر عمل کروٹ بدلتا ہے ::

کشتیٔ نوح

گل امامت مہک رہا ہے نسیم گلشن مچل رہی ہے
شعور بیدار ہو رہے ہیں حیات کروٹ بدل رہی ہے

علی کے بازو کا زور انگ بنا ہے اسلام کا محافظ
ہزار طوفان اٹھے ہیں لیکن یہ کشتیٔ نوح چل رہی ہے

دولت علم میں روشن کو فضیلت ہو جائے
منہ کی کھا جائیں حریفوں کو ندامت ہو جائے

میرے مولا ترے امداد و کرم کے صدقے
وسعیں بخش دے راہی کو تو پربت ہو جائے

مشیت

مشت خاک اڑ کے چلی جانب ماہ و اختر
فکر کی جا ہے کہ انساں میں یہ طاقت ہو جائے

غور کرنے پہ ہوا راز حقیقت ... روشن
علم اور عقل ہوں یکجا تو مشیت ہو جائے

"نشان عزم و عمل

وہم و گمان کے ابر سینہ پھاڑتا ہوا
حالات کی ہر ایک نظر تاڑتا ہوا
بڑھتا ہوں روندھتا ہوا خطروں کو راہ میں
روشن نشان عزم و عمل گاڑتا ہوا

متفرقات

کیا بتاؤں کیسی وسعت اسکے میخانے میں ہے
وسعت کونین جب اک کن کے پیمانے میں ہے

شام و سحر کا آئینہ خانہ ہے اور میں
سلجھا رہا ہوں زلف پریشاں زندگی

سحر کے لب پہ ہنسی تھی مگر نکھار نہ تھا
چمن میں کون سا گل تھا جو اشکبار نہ تھا

انسان کو دنیا میں رہے جب نہ کوئی کام
بہتر ہے کہ سو جائے وہ آغوش اجل میں

مرے بیابے جنوں کو چھونے آئی بہار اکثر
جہاں لوٹے ہیں چھالے بن گئے ہیں لالہ زار اکثر

تیری آنکھوں کا جادو جدھر چل گیا
دل کی تاریکیوں میں دیا جل گیا

ریل کی پٹری پہ جب تک گاڑیاں چلتی رہیں
تیری شمع زندگی اس وقت تک روشن رہے

میری کشتی کی خاطر تلاطم نہیں
ندیں طوفاں کے کتنے کنارے بھی ہیں

جواہرات بھی ملتے ہیں سنگ ریزوں میں
نصیب جس کا ہو بیشک وہی اٹھاتا ہے